MAKTABA SA

عہد نبوی میں
غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

محمد ساجد رضا مصباحی

ناشر

مکتبہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

کتاب: عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

تالیف: **محمد ساجد رضا مصباحی**

کمپوزنگ: محمد ظفر اقبال فتح پوری

اشاعت: ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق فروری ۲۰۱۵ء

تعداد: 1000

صفحات: 112

قیمت: 60 روپے

باہتمام

مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ **مولانا سید محمد مظفر چشتی** دام ظلہ العالی

آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

ملنے کے پتے

خواجہ بک ڈپو، ۴۱۹، مٹیا محل، اردو مارکیٹ، جامع مسجد، دہلی۔۶

حق اکیڈمی مبارک پور اعظم گڑھ

المجمع الاسلامی، ملت نگر مبارک پور اعظم گڑھ

مصباح بک ڈپو کول ہوٹل، کوتوالی کے پاس سکچھک سدن ٹیکم گڑھ ایم پی

انتساب

ریاضِ رسولِ انام

۱۳۹۹ھ

جامعہ صمدیہ دار الخیر پھپھوند شریف

کے نام

جو مغربی یوپی کی ممتاز دینی درس گاہ اور منفرد تربیت گاہ ہے

محمد ساجد رضا مصباحی
خادم تدریس جامعہ صمدیہ دار الخیر پھپھوند شریف

فہرست مشمولات

تقریب

مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا محمد مجاہد حسین رضوی مصباحی

استاذ دارالعلوم غریب نواز مرزا غالب روڈ الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج سے قریب چودہ سو سال پیشتر مکہ مکرمہ کی پاک دھرتی پر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہوئی۔ بدعقیدگی، بدعملی اور بے امنی کے تیرہ و تاریک عہد میں آپ نے اپنی زندگی کے چالیس سال اس شان سے گزارے کہ آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ اہلِ مکہ کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہا اور اس درمیان آپ نے اُن کے سامنے اپنی سیرت اور کردار کا ایسا شاندار نمونہ پیش کیا کہ لوگوں نے آپ کو امین اور صادق کا لقب دیا۔ چالیس سال کی عمر میں آپ نے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا۔ جن لوگوں نے آپ کے قول و عمل کی صداقت اور پاکیزگی کا اپنی نگاہوں سے مشاہدہ کیا تھا، جو لوگ سرکش اور ہٹ دھرم نہیں تھے، انصاف پسندی جن کا مزاج تھا، جن قلوب میں قبولِ حق کی صلاحیت تھی، انہوں نے دعواے نبوت و رسالت کی سچائی پر دلالت کرنے والا کوئی معجزہ بھی نہیں دیکھا اور آپ کے پیغامِ عقیدہ و عمل کو بلا چون و چرا قبول کرلیا۔ اپنی قرار واقعی حیثیت سمجھی اور خود ساختہ دیوی دیوتاؤں سے سارے تعلقات توڑ کر کونین کے خالق و مالک سے اپنا رشتہ جوڑ لیا۔

حقیقتِ حال کی تفتیش سے جن لوگوں کا کچھ لینا دینا نہیں ہوتا وہ ہمیشہ افواہیں پھیلاتے ہیں اور افواہوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ عقیدہ و عمل کی اس پاکیزہ تحریک کے خلاف یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ محمد عربی نے ان تمام دیوی دیوتاؤں سے بغاوت کردی ہے جن کی پوری عرب برادری ایک عرصہ دراز سے پوجا کرتی چلی آئی ہے۔ نتیجتاً سماج دشمن عناصر نے پیغمبر اور ان کے پیروکاروں پر ہر طرح کے ظلم و تشدد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کردیا۔ لیکن ہزار ظلم و تشدد کے باوجود پیغمبرِ اسلام کا کاروانِ امن و آشتی منزل کی طرف رواں دواں رہا۔ ظلم و جبر، دہشت و تشدد کے مقابلہ میں صبر و تحمل اور امن و آشتی کی تیرہ سالہ تاریخ جو مسلمانوں نے رقم کی ہے وہ یہ سمجھنے کے لیے بہت کافی ہے کہ اسلام جبر و تشدد کرکے نہیں، جبر و تشدد سہہ کے پھیلا ہے۔

اس درمیان اسلام مکہ مکرمہ کی حدود سے نکل کر سیکڑوں میل کے فاصلہ پر واقع مدینہ طیبہ تک پہونچ چکا تھا تیرہ سال کے بعد پیغمبر اسلام نے اپنے رب کے حکم سے اپنا وطن چھوڑ کر وہیں ہجرت کرلی

۔مسلمان بھی اپنے نبی کی اتباع میں اپنا سب کچھ تیاگ کر اپنے نبی کے قدموں میں مدینہ طیبہ آ گئے۔اس کے باوجود بھی جب مکہ کے بے ایمانوں نے مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور ان کی جان مال عزت وآبرو کے لیے لگاتار خطرات پیدا کرتے رہے اور ہجرت کے دوسرے سال ہی انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنے کی خاطر بڑے حملہ کا منصوبہ بنا کر مسلمانوں پر بے سبب جنگ تھوپ دی،تب مسلمانوں کو اجازت دی گئی،طاقت کا استعمال کر کے مظلوموں کو آبرومندانہ زندگی دلانے کی اور مغروروں کے غرور کا خاتمہ کر کے انہیں حد میں رکھنے کی۔

ہر طرح کی دہشت گردی اور بدامنی کا خاتمہ کر کے معاشرہ میں امن وامان کی خوش گوار فضا قائم کرنے کے لیے اسلام کے پیغمبر نے وہی کیا ہے جو تاریخ عالم میں کسی بھی انصاف پسند، عادل اور رعایا پرور حکمراں نے کیا ہے یا آج سے اسے کرنا چاہیے۔پیغمبرِ اسلام کی ظاہری زندگی کے بعد ان کی سچی جانشینی کا حق ادا کرنے والے خلفائے راشدین نے عدل وانصاف کے جو نمونے پیش کیے ہیں انہیں اگر دورِ حاضر کے حکمراں اپنا لیں تو دنیا کی کایا پلٹ ہو جائے۔

آج اگر کچھ مٹھی بھر لوگ بنام اسلام کہیں بے گناہوں کا خون بہا رہے ہیں یا کسی بھی طرح کی دہشت گردانہ سرگرمیوں میں ملوث ہیں تو ان کا اسلام اور مسلمانوں سے کیا سروکار؟ اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ خراب کرنے کے لیے وہ یہود ونصاریٰ کے آلۂ کار ہیں عام مسلمانوں نے ان کی ظالمانہ سفاکانہ سرگرمیوں سے ہمیشہ اپنی بےزاری کا اظہار کیا ہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

جواں سال قلم کار محبّ گرامی حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی زیدمجدہ استاذ جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف اوریا یوپی کی زیر نظر قیمتی تصنیف اسلام اور مسلمانوں سے متعلق بہت ساری غلط فہمیوں کا ازالہ کرے گی،لوگوں کو پتہ چلے گا کہ اسلام کی سچی تعلیمات کیا ہیں اور دنیا نے اسلام سے متعلق کیسا جھوٹا پروپیگنڈہ کر رکھا ہے؟ مگر دقت یہ ہے کہ یہ کتاب جن تک پہونچ پائے گی ان کو کوئی غلط فہمی نہیں ہے اور جن کو ہے ان تک یہ کتاب پہونچ نہیں پائے گی اور اگر کسی طرح پہونچ بھی گئی تو عموماً کتاب کی زبان وہ سمجھ نہیں پائیں گے اس لیے اس حقیر کا مشورہ یہ ہے کہ اسے ہندی اور انگریزی زبانوں میں بھی شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے اور غیر مسلم دانشوروں تک پہونچانے کی سبیل پیدا کی جائے۔

محمد مجاہد حسین رضوی مصباحی

۱۵ر فروری ۲۰۱۵ء یک شنبہ

تقریظ جلیل

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ العالی
شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کی ہر قدم پر رہنمائی کرتا ہے،اور مسلمانوں کو اعلیٰ اخلاق وکردار کی تعلیم دے کر انسان کامل بنانا چاہتا ہے، یہود ونصاریٰ ہوں یا کفار ومشرکین، اسلام کسی کے ساتھ ناانصافی اور ظلم وزیادتی کی اجازت نہیں دیتا ہے۔بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمی کافروں کے بارے میں فرمایا:" **دماء هم كدمائنا و اموالهم كاموالنا**" یہ اسلام ہی کی پاکیزہ تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ وہ صحابہ جو اسلام کی آمد سے قبل کفر وشرک اور جہالت کے دل دل میں پھنسے ہوئے تھے،اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر **بایهم اقتديتم اهتديتم** کے مصداق ہو گئے اور "**كُلاًّ وَ عَدَ اللّٰهُ الْحُسنىٰ**" کا مژدہ جانفزا سنا کر رہتی دنیا تک کے لیے انہیں رشد وہدایت کا مینارہ نور قرار دیا گیا۔

لیکن اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ہمیشہ سازشیں ہوتی رہی ہیں، اس وقت دشمنانِ اسلام، اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ غلط انداز میں پیش کر کے زمانے کو بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو ظلم وجبر اور تشدد کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اسلام نے قدم قدم پر رحم وکرم اور اخلاق ومحبت کی تعلیم دی ہے، بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" **ارحموا من في الارض يرحمكم من في السماء**".

وقت کی ضرورت ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیم دنیا کے سامنے پیش کر کے اسلام کے حقائق سے آگاہ کیا جائے۔

بفضلہ تعالیٰ ہمارے جامعہ کے استاذ حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی زیدفضلہ نے وقت کی اس ضرورت کو محسوس کیا اور دلائل وبراہین سے یہ ثابت کر دکھایا کہ دشمنانِ اسلام

کے تمام پروپیگنڈے سراسر جھوٹ اور بہتان ہیں، اسلام اپنے دشمنوں کے ساتھ کبھی کسی ظلم وزیادتی کی اجازت نہیں دیتا ہے۔

مولانا الجامعۃ الاشرفیہ کے ممتاز فارغین میں سے ہیں، انہوں نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے **تخصص فی الفقہ** کا دوسالہ کورس بھی مکمل کیا ہے، اور اہل سنت کی اہم دانش گاہ جامعہ صمدیہ کے لائق وفائق استاذ بھی ہیں، جامعہ میں سات سالوں سے ابتدائی درجات سے منتہی درجات کی کتابوں کا درس دیتے ہیں اور رزم گاہِ قرطاس وقلم کے ایک رمز آشنا صاحبِ قلم بھی ہیں۔ ان کے مضامین ومقالات ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور اور ملک کے دیگر معیاری رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر مقبولِ انام فرمائے اور موصوف کی علمی، عملی اور قلمی صلاحیتوں میں اضافہ فرمائے، آمین **بجاہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.**

محمد انفاس الحسن چشتی غفرلہ
خادم الطلبہ جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ؍مطابق ۳؍فروری ۲۰۱۵ء بروز چہارشنبہ

کلمات تحسین

عم مکرم حضرت علامہ مولانا محمد شکیل انور مصباحی دام ظلہ

استاذ دارالعلوم محمود الاسلام پر بھاس پاٹن ضلع گیر سومناتھ گجرات

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

زیر نظر کتاب ''عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ'' جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں غیر مسلموں کے ساتھ آپ کے مشفقانہ برتاؤ اور ان کے ساتھ آپ کے اخلاقِ حسنہ کے مختلف پہلوؤں پر احادیث نبویہ کے حوالے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کے مولف عزیز گرامی وقار حضرت مفتی محمد ساجد رضا مصباحی دیناج پوری سلمہ القوی ہیں، یہ ان کی ایک منفرد اور اہم کاوش ہے، اس سے پہلے ان کے پچاس منتخب مضامین کا مجموعہ ''قلمی رشحات'' کے نام سے شائع ہوکر قارئین سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے مشمولات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کا موقع ملا، ماشاء اللہ عنوان اچھوتا ہے، اور عنوان کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب بھی قبولیتِ عام حاصل کرے گی اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ عزیز موصوف نے تدریسی خدمات کے علاوہ تصنیف وتالیف اور صحافتی صلاحیتوں کے ذریعہ پورے ملک میں ایک مقام حاصل کر لیا ہے۔ تصنیف وتالیف کا کام جو نہایت دشوار گزار اور مشقت آمیز ہوتا ہے اس کو موصوف بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے جا رہے ہیں۔

عزیز گرامی کی تعلیم کا ایک طویل عرصہ میری نگرانی میں گزرا ہے، انہیں لکھنے پڑھنے کا ذوقِ سلیم بچپن ہی سے تھا، اب زمانہ تدریس میں ان کی تحریروں میں مزید نکھار پیدا ہو گئی ہے، جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں حقِ تحقیق ادا کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی علمی وقلمی صلاحیتوں میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے، ملتِ بیضا کی زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دیتے رہیں اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ہمہ وقت پاسبان بنے رہیں۔ **آمین بجاہ حبیبہ سید الکریم.**

خاکسار: محمد شکیل انور مصباحی، ایم اے
خادمِ تدریس دارالعلوم محمود الاسلام پر بھاس پاٹن، ضلع گیر سومناتھ، گجرات
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ؍مطابق ۱۱؍فروری ۲۰۱۵ء، چہارشنبہ

ابتدائیہ

اِدھر چند دہائیوں سے بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کو ایک ظالم، بے رحم اور سفاک قوم کی حیثیت سے متعارف کرانے کے لیے اسلام دشمن طاقتیں مسلسل کوششیں کر رہی ہیں، دنیا کے مختلف خطوں میں پیش آنے والے دہشت پسندانہ واقعات کا تعلق کسی نہ کسی طرح مسلمانوں سے جوڑ کر نہایت منظّم انداز میں یہ کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو ایک ظالم و جابر قوم کی حیثیت سے متعارف کرایا جائے، مخالفین اپنی اس کوشش میں بہت حد تک کامیاب بھی ہیں۔ اس تحریک میں سب سے پیش پیش یہودی اور نصرانی ہیں، جن کے پاس اپنے نظریات کی تشہیر کے لیے ذرائع ابلاغ و ترسیل کی کوئی کمی نہیں، عالمی میڈیا پر ان کا مکمل تسلط ہے۔ یہودی او رنصرانی روز اول سے ہی مسلمانوں کے بد ترین دشمن رہے ہیں، عہد نبوی اور عہد صحابہ میں بھی یہ اسلام کے خلاف گھنونی سازشیں کرتے رہے اور آج بھی وہ اپنی اسی روِش پر قائم ہیں۔

اسلام مخالف طاقتیں اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو غلط انداز میں پیش کرتے ہیں اور تاریخی حقائق کو جھٹلانے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے، اسلامی جہاد کو وہ مال و دولت کے حصول کا ذریعہ بتاتے ہیں، غزوات و سرایا کو ڈاکوؤں کا حملہ قرار دیتے ہیں، جزیہ کی وصولی کو وہ غیر مسلموں کو مجبور کر کے اسلام میں داخل کرنے کا حربہ باور کراتے ہیں، وہ بڑے زور و شور سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے اسلامی حکومت میں غیر مسلموں پر ہر طرح سے ظلم و جبر کو روا رکھا ان کے حقوق تلف کیے اور انہیں ایک ذلیل شہری بن کر زندگی گزارنے پر مجبور کیا۔ حالاں کہ تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ ساری باتیں بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری کائنات کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے تھے، انہوں نے تشدد کو کہیں پنپنے کا موقع نہیں دیا اور ظلم و جبر کے خاتمہ کے لیے ہر ممکن کوششیں کیں۔ دارالاسلام میں رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ بڑا ہی کریمانہ برتاؤ کیا، مسلمانوں کی طرح ان کے حقوق کی بھی حفاظت فرمائی، مسلمانوں کو ان پر زیادتی کرنے سے سختی سے منع فرمایا، جہاد

کے لیے سخت قوانین نافذ فرما کر ظلم و تعدی کے دروازوں کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا، اس کے باوجود اسلام کے تعلق سے اس طرح کی بدگمانی پھیلانے کا داعیہ محض تعصب ہی ہو سکتا ہے۔

انصاف پسند طبقے کے ذہنوں سے ان بے جا اعتراضات کا اثر زائل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے ان گوشوں کو منظر عام پر لایا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ ان کے اعلیٰ برتاؤ اور ان پر رحم و کرم کی داستانوں سے پُر ہیں۔ عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے کیسا برتاؤ کیا اس کی چند جھلکیاں ہم نے اس کتاب میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے بہت سے وہ اعتراضات دفع ہو جائیں گے جو غیر مسلموں پر جبر و اکراہ کے حوالے سے مسلمانوں پر کیے جاتے ہیں۔

اس کتاب کی ترتیب میں خاص طور سے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے استدلال کا التزام کیا گیا ہے، اس عنوان پر مواد کی فراہمی کے لیے تلاش و جستجو کے دوران مصری مصنف ناصر محمدی محمد جاد کی تالیف "**التعامل مع غیر المسلمین فی العهد النبوی**"، کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مستند ہے، جو معتمد حوالوں سے مزین ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں عنوان کے متعدد گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، اس عنوان پر اس قدر جامع کتاب میری نظر سے پہلی بار گزری، سیرت کی اردو کتابوں میں بھی اس عنوان پر مختلف مقامات پر گفتگو کی گئی ہے، لیکن تسلسل نہ ہونے کی وجہ سے نتیجے تک پہنچنے میں دشواری ہوتی ہے، بس یہی خیال اس کتاب کی ترتیب کا باعث بنا۔

کتاب کی ترتیب میں اصل ماخذ کے حوالوں کا التزام کیا گیا ہے، ماخذ کی جو کتابیں جامعہ کی لائبریری میں موجود نہیں تھیں ان کے حوالے بیروتی نسخوں کی پی ڈی ایف کاپی سے لیے گئے ہیں، عربی عبارات کے ترجمے کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے، زبان و بیان کو سادہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عام قارئین کے لیے استفادہ آسان ہو۔

میں نہایت اخلاص قلب کے ساتھ جامعہ صمدیہ کے سربراہِ اعلیٰ مخدوم گرامی حضرت علامہ سید محمد انور میاں چشتی دام ظلہ کا شکر گزار ہوں کہ حضرت نے جامعہ کی تاج الفحول لائبریری

میں کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر کے تصنیفی کاموں میں آسانی فراہم کر دی ہے۔حضرت نے تصنیف وتالیف کے لیے مجھے تمام سہولیات فراہم کی ہیں جن کے بغیر موجودہ دور میں تصنیف و تالیف کا کام دشوار ہے۔

جامعہ صمدیہ کے شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ کی خدمت میں تشکر وامتنان کا گل دستہ لیے حاضر ہوں جن کے زیر سایہ رہ کر ہمیں کچھ کرنے کا حوصلہ ملتا ہے ،جن کی قیمتی نصیحتیں ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں،جن کے حوصلہ افزا کلمات ہمارے اندر توانائی پیدا کرتے ہیں۔انھوں نے میری گزارش پر کتاب کے لیے دعائیہ کلمات تحریر فرمائے جو اس کتاب کی مقبولیت کی دلیل اور میرے لیے حد درجہ باعث مسرت ہے۔

معروف عالم دین مفکرِ اسلام حضرت علامہ مجاہد حسین رضوی مصباحی استاذ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد نے اپنی تمام تر علمی وتبلیغی مصروفیات کے باوجود میری گزارش پر ایک نہایت جامع تقریب تحریر فرما کر کتاب کی اہمیت کو دوبالا کر دیا،ان کی اس خُرد نوازی پر میں بے حد شکر گزار ہوں۔میں ان کے اس قیمتی مشورے کا احترام کرتا ہوں کہ کتاب کی اشاعت ہندی اور انگریزی زبانوں میں بھی ہونی چاہیے۔انشاءاللہ جلد ہی اس کی صورت بھی نکل آئے گی۔

استاذ گرامی فخر صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے میری گزارش پر شفقت فرماتے ہوئے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اپنے قیمتی تاثرات سے نوازا،ان کی اس نوازش پر میں سراپا سپاس ہوں۔

عمِ مکرم حضرت علامہ مولانا شکیل انور مصباحی دام ظلہ استاذ دارالعلوم محمود الاسلام پر بھاس پاٹن گجرات جو رشتے میں تو میرے چچا ہیں لیکن انھوں نے میری تعلیم وتربیت میں شفیق باپ جیسا کردار ادا کیا ہے۔غلطیوں پر تنبیہ اور کامیابیوں پر حوصلہ افزائی ان کا خاص وصف ہے،میری تعلیم کا ایک طویل عرصہ ان کی شفقتوں کے سایے میں گزرا۔وہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۱۹۹۹ء میں فراغت کے بعد گجرات تشریف لے گئے اور وہاں کے مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں،لیکن مجھ پر ان کی شفقت وعنایت کی راہ میں بُعدِ مکانی کبھی حائل نہ ہوئی،آج بھی وہ ایک شفیق باپ کی طرح میری کوتاہیوں پر محبت آمیز

تنبیہ فرمایا کرتے ہیں۔میری گزارش پوری کتاب پڑھنے کے بعد انھوں نے اپنے قیمتی کلماتِ تحسین سے نوازا اور میرے حوصلوں کو مہمیز کیا،میں ان کی اس عنایت خسروانہ پر تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔کمپیوٹر پر تصحیح کے کام میں آپ ہی کے ادارے کے مخلص اور باصلاحیت استاذ مولانا محمد فاروق مصباحی گجراتی نے اپنا قیمتی وقت دیا،اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

نظر ثانی کے کام میں جامعہ صمدیہ کے اساتذہ میں حضرت مفتی اسرائیل مصباحی،مفتی مجیب عالم مصباحی،مولانا غلام جیلانی مصباحی مولانا احکام علی چشتی مصباحی،مولانا عابد چشتی ثقافی اور طلبہ میں زید رضا لکھیم پوری،اور شمس الہدیٰ فتح پوری،محمد معین اشرف فتح پوری نے مخلصانہ تعاون کیا ہے،کمپوزنگ محمد ظفر اقبال فتح پوری نے کی ہے،حضرت علامہ مولانا احمد رضا قادری استاذ دارالعلوم افضل المدارس الہ آباد یوپی کے مفید مشورے میرے لیے نشانِ منزل ثابت ہوئے ہیں،ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔

کتاب کی طباعت واشاعت مخدوم گرامی وقار شہزادہ والا تبار حضرت علامہ ومولانا سید محمد مظفر چشتی آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ دارالخیر پھپھوند شریف نے اپنے کتب خانہ مکتبہ صمدیہ پھپھوند شریف کے ذمے لے کر میرے لیے بڑی آسانی فراہم کر دی،میں ان کا بے پناہ شکر گزار ہوں،اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ میری یہ کوشش شرف قبولیت حاصل کرے اور اسے میرے لیے دارین کی سعادتوں کا ذریعہ بنائے،میرے والدین کریمین کا سایہ عاطفت میرے سر پر تادیر قائم رکھے۔آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ **خیر خلقہ وصحبہ اجمعین۔**

محمد ساجد رضا مصباحی

خادم جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی — ۱۲ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ

متوطن: نوری نگر کمات ضلع اتر دیناج پور بنگال — ۲رفروری ۲۰۱۵ء دوشنبہ مبارکہ

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

اسلام دین انسانیت

اسلام ایک ہمہ گیر اور آفاقی مذہب ہے، اسلام فطرت اور انسانیت کا مذہب ہے، تاریخ انسانیت میں بے شمار ادیان و ملل ظہور پذیر ہوئے لیکن کوئی مذہب اس قدر آفاقیت کا حامل اور پوری انسانیت کا دین نہیں بن سکا، ہمہ گیریت اسلام کا انفرادی و امتیازی وصف ہے، اسی ہمہ گیریت کے سبب اسلام کو ایک عالم گیر مذہب سمجھا جاتا ہے، جس میں نہ علاقائیت کا حصار ہے اور نہ سلطنت کی تحدید، نہ قومیت کی وبا ہے نہ نسل پرستی کا مرض، اسلام نے ان تمام عناصر کا خاتمہ کر دیا جو انسانیت کی تذلیل اور بنی نوع انسان کی تباہی و بربادی کا ذریعہ ہوں۔

اسلام احترام انسانیت کا قائل ہے اور انسانیت کی بنیاد پر بنی نوع انسان کے تحفظ و بقا کی پُر زور تائید کرتا ہے، اسلام دین رحمت ہے، اسلام کی انسانیت نواز پالیسیوں کی وجہ سے ہی اسے دین انسانیت کہا جاتا ہے، اس کی پوری تاریخ، انسانیت کے احترام، اور اس کے حقوق کی رعایت اور انسانی اقدار کی حفاظت سے معمور ہے، اسلام جن بنیادوں پر استوار ہے وہ قرآن و حدیث ہیں، قرآنی آیات اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات دہشت گردی **فســاد فی الارض** اور انسانی طبقات کی ایذا رسانی کی سراسر مخالفت کرتے ہیں، ایسا کرنے والوں کو مجرم گردان کر شرعی حدود اور تعزیرات کا مستحق بھی قرار دیتی ہیں۔

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور صحابہ کرام کی حیاتِ مبارکہ انسانیت کے احترام، اس کے حقوق کی حفاظت اور انسانیت پسندی کا اعلیٰ نمونہ ہے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے: اگر میں نے کسی پر ظلم کیا ہے تو وہ اس کا بدلہ لے لے، خلفاء راشدین بھی اسی منہج پر عمل پیرا رہے، خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محصور ہونے اور جان کے خطرے کے باوجود اپنے دفاع کے لیے اہل مدینہ کو بلوائیوں سے مقابلہ کی اجازت نہیں دی، اس ضمن میں فتح مکہ کا واقعہ یقیناً ناقابل فراموش ہے، مکۃ المکرّمہ کی فتح کے بعد قیدیوں کا جو گروہ مسلمانوں کے پاس تھا اس میں مسلمانوں پر تشدد کرنے والے بھی تھے، پھبتیاں کسنے والے بھی تھے اور

ظالم و قاتل بھی تھے، اور یہ تمام اسیران اپنے متعلق فیصلے کے منتظر تھے لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط انسانیت کے ناطے ان کے تمام جرائم جو ناقابل عفو تھے، یک لخت معاف کر دیے، اور اعلان کر دیا کہ جاؤ تم پر کوئی الزام نہیں تم سب آزاد ہو، ظالموں کے لیے امن و امان کے دروازے کھولنے والا اور دشمنوں پر رحمت کی بارش کرنے والا مذہب صرف اور صرف اسلام ہی ہے۔

اولاد آدم کی تکریم اور احترام انسانیت کے حوالے سے قرآنی فرامین و ارشادات بڑی اہمیت کے حامل ہیں، تمام بنی نوع انسان کی حرمت کے متعلق مذہب اسلام مساوی موقف رکھتا ہے، حدیث پاک میں ہے کہ ''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اللہ کے نزدیک سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اس کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ مومن ہمیشہ نیک کام میں ترقی کرتا ہے اور کرتا رہے گا جب تک وہ ناجائز اور حرام خون نہ بہائے اور جب وہ حرام خون بہا کر زمین پر فساد برپا کرے گا تو وہ تھک کر مایوس بیٹھ جائے گا، بلکہ اس کی ترقی رک جائے گی۔ قرآن کریم میں خوں ریزی اور فساد برپا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ انسانیت کی حفاظت ہی کے پیش نظر ہے۔ قرآن نے بڑے واضح اسلوب میں اعلان فرمایا: ''**مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا**'' جس نے کسی جان کو قتل کیا نہ کسی جان کے بدلے اور نہ کسی مجرمانہ شورش کی بنیاد پر تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا، قرآن کا یہ منشور اسلام کی انسانیت پسندی کے موقف کو واضح کرنے کے لیے تنہا کافی ہے۔

لیکن اسلام کی انسانیت نواز تعلیمات اور انسانی حقوق کی حفاظت سے متعلق اسلامی احکامات سے صرف نظر کرتے ہوئے دشمنوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے خود ساختہ نظریات کو اسلام کے نام منسوب کیا، اسلام کی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی، اسلام اور مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل کا کوئی موقع نہیں گنوایا گیا، تاریخ کے گنجلک صفحات میں ایسے سیکڑوں واقعات ہیں جن کی منفی تشہیر صرف اس غرض سے ہوئی کہ اسلام کو بدنام کیا جا سکے، اسلام دشمنی کا سلسلہ چلتا رہا، قیامت اس وقت برپا ہوگئی جب ''دہشت گردی اور اسلام'' کا ایک فتنہ خیز عنوان عالمِ وجود میں آیا، اس عنوان کے سہارے اسلام کی جتنی تحقیر کی گئی اور اسلام کے عقائد و نظریات کو جس طرح نشانہ بنایا گیا وہ بڑا

تکلیف دہ تھا،اس صورت حال سے پوری امت تڑپ اٹھی۔آج ''اسلام اور دہشت گردی'' بین الاقوامی سطح پر ایسا عنوان ہے جو سراسر حقائق مخالف ہونے کے باوجود مضبوط ذرائع ابلاغ وترسیل کے سہارے ایک سچا معروضہ بن گیا ہے۔آج مسلمانوں کی شبیہ ایک بے رحم،شدت پسند قوم کی حیثیت سے متعارف کرائی گئی ہے،جنہیں نہ تو دوسروں کے حقوق کی پاسداری سے کوئی سروکار ہے اور نہ ہی انسانیت کے تحفظ وبقا کا کوئی خیال،دہشت گردی کا ناجائز لیبل(lable) مسلمانوں پر چسپاں کر کے ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں،بے گناہوں کو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں،دہشت گردی کے ہر واقعے میں مسلم افراد ہی مطلوب ہوتے ہیں،آج ضرورت ہے کہ پوری دنیا کو یہ باور کرایا جائے کہ اسلام دین فطرت ہے،امن وامان کی پاس داری اور اسے اولین ترجیح دینے والا آفاقی مذہب ہے،اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسانیت نوازی کا درس دیتا ہے،اسلام اخلاقیات کا سبق پڑھایا جاتا ہے،اور احترام انسانیت کی ہدایت دی جاتی ہے۔

میں نے اپنے اس رسالے میں عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے برتاؤ اور رواداری کے نمونے پیش کرنے کی کوشش کی ہے نیز اسلام نے غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کے تعلق سے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی وضاحت کر کے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام تشدد اور نفرت نہیں پھیلاتا بلکہ اسلام رواداری اور محبت کا مذہب ہے۔اسلام کی آفاقیت کا راز اس کے آفاقی نظریات میں پوشیدہ ہے،اسلام اگر انسانیت کا پاس دار نہ ہوتا تو آج اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص علاقے یا مخصوص قوم کا مذہب ہوتا،اسلام کی عالم گیریت اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔

ہم نے اپنے اس رسالے کو دو ابواب میں تقسیم کیا ہے،پہلے باب میں عہد نبوی اور عہد صحابہ میں غیر مسلموں کے ساتھ ان کے برتاؤ،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے ساتھ رواداری اور آپ کے حسن اخلاق کی تفصیل بیان کی ہے جب کہ دوسرے باب میں اختصار کے ساتھ اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق پر گفتگو کی ہے۔

☆☆☆☆☆

بابِ اول

عہدِ نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، مدینہ منورہ میں آپ کی جلوہ آرائی کے بعد اسلام تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا،اسلام کا دائرہ دن بہ دن وسیع سے وسیع تر ہونے لگا،لوگ کفر وشرک کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہونے لگے،یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا،مدینہ دار الاسلام تھا،اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم مسلمانوں کے قائد اعظم،ان دنوں مدینہ واطرافِ مدینہ میں جو غیر مسلمین آباد تھے وہ تین طرح کے تھے۔

ا۔اہلِ عہد ومعاہدہ

۲۔ذِمی

۳۔مُستامِن

ذیل کی سطور میں ہم غیر مسلموں کے اِن تمام طبقات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ برتاؤ اور مختلف شعبہائے حیات میں ان کے ساتھ معاملات کی تفصیل تحریر کریں گے۔

اہل عہد ومعاہدہ کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن دنوں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے،یہاں اکثر یہودی آباد تھے،بعض مشرکین بھی تھے،گویا ایک مخلوط آبادی تھی،آپ کی دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں یہودیوں اور مشرکین کے بہت سارے افراد دامنِ اسلام سے وابستہ ہوگئے،کیفیت یہ تھی کہ بیٹا مسلمان ہے باپ مشرک،باپ مسلمان ہے بیٹا مشرک،گھر کے کچھ افراد صاحب ایمان ہیں اور کچھ افراد یہودیت پر قائم ہیں،اِن حالات میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منوّرہ میں یہودیوں کی موجودگی کو قابلِ نفرت قرار دے کر اسے سماج سے یک

لخت الگ نہیں کر دیا بلکہ ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کی جس میں اہلِ اسلام کے ساتھ یہود مدینہ کو بھی عزت ووقار کے ساتھ رہنے کا حق دیا گیا، بیرونی مشکلات سے نبردآزما ہونے اور اندرونی معاملات کی شفافیت کے لیے ایک ایسا وسیع اور جامع منشور تیار کیا جس میں مہاجرین وانصار کے علاوہ یہودیوں کو بھی شامل کیا گیا، اس منشور کے ذریعہ مدینہ طیبہ کے جملہ باشندوں کو بلا امتیازِ مذہب وقومیت شامل کیا گیا، یہ دستور دارالاسلام میں غیر مسلموں کے حقوق کے حوالے سے بڑی اہمیت کی حامل ہے اس طویل ترین منشور کی تلخیص ہم یہاں **ناصر محمدی محمدجاد** کی تالیف **التعامل مع غير المسلمين فى العهد النبوى** کے حوالے سے پیش کرتے ہیں:

"**بسم الله الرحمن الرحيم ، هذا كتاب محمد النبى صلى الله عليه وسلم بين المومنين والمسلمين من قريش و يثرب، ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم ، انهم امة واحدة..........وانه من تبعنا من يهود فان له النصر والأسوة غير مظلومين ولا متناصرين عليهم ......وان يهود بنى عوف امة مع المومنين ، لليهود دينهم وللمسلمين دينهم مواليهم وانفسهم الا من ظلم واثم فانه لايوتغ الا نفسه واهل بيته ، وان ليهود بنى النجارمثل ماليهود بنى عوف ، وان ليهود بنى ساعدة ماليهود بنى عوف، وان ليهود بنى جشم مثل ماليهود بنى عوف، وان ليهود بنى الأوس مثل ماليهود بنى عوف ، وان ليهود بنى ثعلبة مثل ماليهود بنى عوف ،الا من ظلم واثم فانه لايوتغ الا نفسه واهل بيته، وان جفنة بطن من ثعلبة كانفسهم ، وان لبنى الشطيبةمثل ماليهود بنى عوف ، وان البر دون الاثم ، وان موالى ثعلبة كانفسهم ، وان بطانة يهود كانفسهم ، وانه لايخرج منهم احدالا باذن محمد صلى الله عليه وسلم وانه لاينحجز علىٰ ثأر جرح ، وانه من فتك فبنفسه فتك واهل بيته الا من ظلم ، وان الله ابر على ابر هذا، وان على اليهود نفقتهم ، والنصيحة والبر دون الاثم ، وانه لم ياثم**

امرؤ بحليفه وان النصر للمظلوم ، وان اليهود ينفقون مع المؤمنين ماداموا محاربين ، وان يثرب حرام جوفها لاهل هذه الصحيفة ، وان الجار كالنفس غير مضار ولا آثم ، وانه لاتجار حرمة الاباذن اهلها، وانه ماكان بين اهل هذه الصحيفة من حدث واشتجار يخاف فساده فان مرده الى الله عزوجل والىٰ محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم وان الله علىٰ اتقىٰ مافى هذه الصحيفةوابره ، وانه لاتجار قريش ولا من نصرها ، وان بينهم النصرعلىٰ من دهم يثرب، واذا دعواالىٰ صلح يصالحونه ويلبسونه فانهم يصالحونه ويلبسونه، انهم اذا دعوا الى مثل ذلك فانه لهم على المومنين الا من حارب فى الدين علىٰ كل اناس حصتهم من جانبهم الذى قبلهم ، وان يهودالاوس، مواليهم وانفسهم علىٰ مثل ما لاهل هذه الصحيفة مع البر المحض من اهل هذه الصحيفة......وانه لا يحول هذه الكتاب دون ظالم و اثم وانه من خرج آمن ومن قعد آمن بالمدينة، الا من ظلم او اثم وان الله جار لمن بر واتقىٰ" ☆

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا۔ یہ تحریری دستاویز ہے، اللہ کے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی قریش، یثرب (مدینہ) کے اہل ایمان اور ان لوگوں کے باب میں جو ان کے اتباع میں ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔ یہ تمام لوگ ایک وحدت متصور ہوں گے، یہود میں جو ہمارے طریقے پر چلیں گے ان کی مدد کی جائے گی، ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا، ان کے خلاف کسی کی مدد نہیں کی جائے گی۔ بنی عوف کے یہود اور ان کے حلفا وموالی سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت (فریق) متصور ہوں گے، یہودی اپنے دین پر رہنے کے مُجاز ہوں گے اور مومن اپنے دین پر رہیں گے البتہ جس نے ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو وہ محض اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈالے گا، بنی نجار کے یہودیوں کے لیے وہی مراعات ہیں جو بنی عوف کے لیے ہیں۔ بنی حارث کے یہودیوں

☆التعامل مع غیر المسلمین فی العہد النبوی، دارالمیمان للنشر والتوزیع القاہرۃ ۱۴۳۰ھ

کے لیے وہی کچھ ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے ہیں، اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کے لیے وہی کچھ ہیں جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے ہیں، بنی جُشَم کے یہودیوں کے لیے بھی وہی ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے ہے، بنی اوس کے یہودیوں کے لیے وہی ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے ہے، بنی ثعلبہ کے یہودیوں کے لیے وہی ہے جو بنی عوف کے یہودیوں کے لیے ہے، البتہ جو ظلم اور عہد شکنی کا مرتکب ہو تو خود اس کی ذات اور اس کے گھرانے کے سوا دوسرا مصیبت میں نہیں پڑے گا۔ اور جفنہ جو قبیلہ ثعلبہ کی شاخ ہے اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں، اور بنی الشطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کے لیے ہیں، اور ہر ایک پر اس دستاویز کی وفا شعاری لازم ہے نہ کہ عہد شکنی، اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کے لیے ہیں اور یہودی قبائل کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کے لیے ہیں، اور یہ کہ ان قبائل میں سے کوئی فرد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا، اور کسی مار یا زخم کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور ان میں جو فرد یا جماعت قتل ناحق اور خوں ریزی کا ارتکاب کرے تو اس کا وبال اور ذمے داری اس کی ذات اور اس کے اہل وعیال پر ہوگی، یہودیوں پر ان کے مصارف کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے مصارف کا، اور اس صحیفہ والوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا تو تمام فریق (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے نیز خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے اور ان کا شیوہ وفاداری ہوگا نہ کہ عہد شکنی، اور ہر مظلوم کی بہر حال حمایت ومدد کی جائے گی۔ جب تک جنگ رہے یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ مل کر مصارف اٹھائیں گے، اور اس صحیفہ والوں کے لیے حدود یثرب (مدینہ) کا داخلی علاقہ (جوف) حرم کی حیثیت رکھے گا، پناہ گزیں پناہ دہندہ کی مانند ہے، نہ کوئی اس کو ضرر پہنچائے گا نہ وہ خود عہد شکنی کر کے گناہ گار بنے، اور کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی، یثرب (مدینہ) پر جو بھی حملہ آور ہو اس کے مقابلہ میں یہ سب یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

اس دستور کے ذریعہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بسنے والے غیر مسلمین (یہودیوں) کے حقوق کی تعیین فرمائی ان کے تحفظ کا سامان بھی فراہم کیا، مدینہ کے غیر مسلموں کے حقوق کی پاس داری اور ان کے ساتھ حسنِ معاشرت کے حوالے سے یہ دستاویز کئی جہتوں سے خصوصیات کا حامل ہے، ذیل میں ہم اس پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔

۱۔ اس منشور کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی شخص یا قبیلہ کے حق کو غصب نہیں کیا گیا اور نہ ہی کسی پر مذہب کے سلسلے میں کوئی جبر کیا گیا، اور نہ ان کے معاشرے میں مروج رسوم ورواج کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کیا گیا، نہ ان کے ذاتی معاملات میں مداخلت کی گئی بلکہ مدینہ کے باشندے جو ایک طویل مدت سے باہمی جنگ وجدال کی بھٹی میں جل رہے تھے ان کو صلح وآشتی کا پیغام دیا گیا اور قبائلی عصبیتوں کو بھلا کر ایک متحدہ سماج میں جینے کا شعور سکھایا۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جس کی بنیاد اشتراک اور اختلاط پر تھی، جس نظام کے تحت مسلمان بھی آتے تھے اور غیر مسلم بھی، اس نظام میں حقوق کے سلسلے میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں تھی، معاہدہ کے پیش نظر ایک یہودی غیر مسلم کے جان ومال کی حفاظت اسی قدر اہم تھی جس قدر مسلمان کے جان مال کی حفاظت، اس نظام کی وجہ سے یہ بات معیوب نہیں سمجھی گئی کہ کوئی مسلم کسی اہل کتاب کے یہاں ملازم ہو، کئی صحابہ کرام یہودیوں کے یہاں ملازم تھے، سرکار نے اِس سے منع نہیں فرمایا، انھی صحابہ میں حضرت کعب بن عجزہ بھی تھے۔

۳۔ اس دستاویز کے مطابق مدینہ میں مقیم یہودی مسلمانوں ہی کی طرح ریاستِ مدینہ کی رعایا قرار پائے، ان کے لیے کوئی امتیازی قانون نہیں بنایا گیا جو دوسروں پر نافذ نہ ہو اور ان پر نافذ ہو، انھیں عقیدے کی آزادی دی گئی، اس سلسلے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا گیا، ریاست مدینہ کے مقتدر اعلیٰ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہر طرح کے حقوق کی حفاظت فر مائی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوحدرد رضی اللہ عنہ ہیں، جن پر کسی یہودی کے چار درہم تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ یہودی

کا حق اسے ادا کر دیں چنانچہ حضرت ابوحدرد نے اپنی چادر بیچ کر یہودی کے چار درہم ادا کیے۔

۴۔اس تاریخی دستاویز میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں کو صرف عقیدہ، مذہب، رسم ورواج اور معاش واقتصاد کی آزادی نہیں دی بلکہ انہیں اس بات کی بھی ضمانت دے دی کہ اگر کوئی بیرونی طاقت ان پر حملہ آور ہو تو مسلمان ان کے شانہ بشانہ ان کے دشمن کے ساتھ لڑیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدین کی جان ومال کی حفاظت کے تاکیدی احکامات صادر فرمائے، صحیح بخاری کی حدیث پاک ہے، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحهاتوجد من مسافة اربعين عاما. ☆

ترجمہ: جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا، جب کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جائے گی۔

معاہدہ کے بعد دھوکہ کرنے والوں کے سلسلے میں رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" ان الغادر ينصب له لواء يوم القيامةفيقول هذه غدرة فلان بن فلان" ☆☆

اسلام ایفائے عہد کا قائل ہے اور اپنے ماننے والوں کے لیے وعدے کی حفاظت کو لازم قرار دیتا ہے، مسلمانوں نے یہودیوں کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ حقوق کی مکمل حفاظت کی، رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم نے اس تاریخی دستاویز کی ایک ایک دفعات کو عملی طور سچ کر دکھایا، لیکن یہودیوں نے اپنی سرشت کے مطابق سرکشی شروع کر دی نقضِ عہد میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی، بظاہر وہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔لیکن درپردہ وہ

☆ صحیح بخاری: كتاب الجهاد والسير، باب اثم من قتل معاهدا بغير جرم

☆☆ صحیح بخاری:ص:۲۵۲

مشرکین مکہ کے بہی خواہ اور اسلام کے سخت دشمن تھے۔ یہودِ مدینہ کے ساتھ ہزار رواداری اور نرم برتاؤ کے باوجود انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک روا رکھا اس کی وضاحت کے لیے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔

کعب بن اشرف جو قبیلہ بنو نضیر سے تعلق رکھتا تھا، وہ اپنی مجالس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بیان کرتا تھا، اور آپ کے خلاف دشمنوں کو ابھارتا تھا، جنگ بدر میں قریش کے جو افراد ہلاک ہوئے تھے، ان پر آنسو بہاتا تھا، جب جنگ بدر میں قریش کی شرمناک شکست اور اشرافِ قریش کے قتل کی خبر اس تک پہنچی تو کہا: "قسم اللہ کی اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس قوم (قریش) کو شکست دے دی تو ہمارے لیے روئے زمین پر رہنے سے بہتر ہے کہ ہم زمین میں دفن ہو جائیں"۔

پھر وہ مکہ چلا گیا تاکہ مشرکینِ قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازش کرے، اس طرح کعب بن اشرف یہودی نے ہر طرح مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی، یہاں تک کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بد باطن کے تعلق سے اعلان فرمایا: **من لنا من ابن الاشرف قد استعلن بعداوتنا وهجائنا**'' ☆

ترجمہ: ہمارے لیے کون ابن اشرف کے مقابل ہوگا جس نے کھلم کھلا ہماری دشمنی کی اور ہماری ہجو کی۔

اسی طرح نقضِ عہد کا ایک شرمناک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ صائغ یہودی اور اس کی قوم نے ایک ذلیل ترین حرکت یہ کی کہ ایک مسلمان عورت کو برہنہ کر دیا اور اس کے ساتھ ٹھٹھا کرنے لگے، اپنے ساتھ اس حرکت کو ہوتے دیکھ کر وہ عورت چیخ پڑی، ایک باغیرت مسلمان نے اس حرکت کو دیکھا تو اس کی غیرت وحمیت جاگ اٹھی، اور اس نے یہودی پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، یہودیوں نے بھی اس مسلمان پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اس واقعے کی وجہ سے مسلمانوں کی جماعت اور یہودی آپس میں برسرپیکار ہو گئے، یہودی کی اس حرکت سے فساد

☆ صحیح بخاری: كتاب المغازی، باب قتل كعب ابن الاشرف

پھیل گیا، صائغ کا تعلق قبیلہ بنوقینقاع سے تھا، اب تک نقض عہد کے جو بھی واقعات پیش آئے تھے وہ انفرادی تھے، لیکن اس قبیلے نے سب سے پہلے اجتماعی طور پر نقضِ عہد کیا، بلکہ اس قبیلے کے لوگ منافقین کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگے، جب ان کی یہ ناپاک سرگرمیاں حد سے آگے بڑھنے لگیں تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صاغہ کے بازار میں جمع کر کے فرمایا: **یا معشر یہود ، احذروا من اللہ عزوجل مانزل بقریش** "اے یہود قریش کو (جنگ بدر میں) جو مصیبت پہنچی اس کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ڈرو۔ تو یہودیوں نے بڑے متکبرانہ انداز میں جواب دیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ آپ کا مقابلہ (جنگ بدر میں) ایک ایسی قوم سے ہوا تھا جنہیں جنگ کے طریقوں کا علم نہیں ،تو آپ نے انہیں شکست دے دی، جب آپ کا مقابلہ ہمارے ساتھ ہوگا تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم کون ہیں۔

اس طرح متعدد یہودیوں نے عہد توڑا، اور اسلام کے خلاف سازشیں رچیں، اہلِ اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کی، ان کی اِن کوششوں کو منافقین کی جماعت نے تقویت پہنچائی، قبیلہ بنوقینقاع کی شرارت اور عہد شکنی کے بعد ان سے دوستی وموالات کی ممانعت نازل ہوئی، ارشاد فرمایا گیا: **یَـٰٓأَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَهُودَ وَالنَّصٰرٰی اَوۡلِیَاءَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَاءُ بَعۡضٍ وَمَنۡ یَتَوَلَّهُمۡ مِنۡکُمۡ فَاِنَّه مِنۡهُمۡ** "اے ایمان والو یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انھیں میں سے ہے۔☆

یہ آیت مبارکہ صحابی رسول حضرت عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) (۱) اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کے سلسلے میں نازل ہوئی، حضرت عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ یہودیوں میں میرے بہت سارے دوست ہیں جو شوکت وقوت والے ہیں، لیکن میں اب (ان کی مذکورہ شرارت کے بعد) ان کی دوستی سے بیزار ہوں، اللہ (عزوجل) اور رسول

☆ القرآن الکریم سورۃ المائدہ ۵۱۔ (۱) وصال ۳۴ھ/۶۵۴ء

(صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ میرے دل میں کسی کی محبت کی گنجائش نہیں، اس پر عبداللہ ابن ابی نے کہا: میں یہود کی دوستی سے بیزاری نہیں کرسکتا، مجھے پیش آنے والے حوادث کا اندیشہ ہے، اور مجھے ان کے ساتھ رسم وراہ رکھنا ضروری ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود کی دوستی کا دم بھرنا تیرا ہی کام ہے، عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) کا یہ کام نہیں۔

لیکن جو غیر مسلمین دارالاسلام میں عہد کی پابندی کرتے رہے اور شر وفساد سے دور رہے انہیں نبی کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم نے مسلمانوں ہی کی طرح انفرادی، اجتماعی، اقتصادی، سماجی ، معاشرتی اور مذہبی حقوق کی آزادی عطا فرمائی ،ان کے تحفظ کے لیے احکام نافذ کیے، حاصل یہ کہ اہلِ عہد ومعاہدہ میں سے جو پابند عہد رہے وہ دارالاسلام کی تمام تر سہولیات سے فائدہ اٹھاتے رہے اور مکمل امن وامان اور چین وسکون کی زندگی بسر کی، اور جنہوں نے شرارت اور فساد کی راہ اختیار کی انہوں نے اپنا برا کیا، اور خائب وخاسر ہوئے۔

☆☆☆

عہد نبوی میں ذمیوں کے ساتھ برتاؤ

ذمی ان غیر مسلموں کو کہا جاتا ہے، جو دارالاسلام میں اسلامی حکومت کو جزیہ (ٹیکس) ادا کر کے اپنی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے ساتھ دائمی قیام اختیار کریں۔☆

ان غیر مسلموں میں یہود ونصاری، مجوس جو کتابیوں کے مشابہ ہیں شامل تھے، مجوسیوں کے بارے میں ہے کہ ان کے پاس بھی کتاب تھی لیکن وہ اٹھا لی گئی، اس لیے انہیں متعدد احکام میں کتابیوں کے مشابہ قرار دیا گیا، ان کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**سنوا بهم سنة اهل الكتاب**" یعنی ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔☆☆

ذمیوں سے جو جزیہ (ٹیکس) وصول کیا جاتا تھا اس میں کئی طرح سے انہیں آسانی فراہم کی گئی تھی، ٹیکس کو کسی خاص جنس اور مقدار کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا تھا، بلکہ ٹیکس دینے والوں کے حال اور استطاعت کا لحاظ کرتے ہوئے دراہم و دنانیر کے ساتھ دوسری چیزیں مثلاً کپڑے یا دوسرے اسباب بھی قبول کر لیے جاتے تھے، عہد نبوی میں دارالاسلام کے اندر ذمی غیر مسلموں کے ساتھ کس طرح حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا گیا اور ان کی سہولتوں کا کس قدر خیال رکھا گیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ٹیکس کی ادائیگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے درج ذیل تین سہولتیں فراہم کی تھیں۔☆☆☆

ا۔ ٹیکس کسی ایک جنس کے ساتھ خاص نہیں تھا، بلکہ اس کی بنیاد آسانی اور سہولت پر تھی، جن کے لیے نقد دینا آسان ہوتا وہ نقد ادا کرتے اور جن کے لیے نقد ادائیگی میں دشواری ہوتی وہ جس طرح چاہتے کپڑا وغیرہ سامانوں کی صورت میں ٹیکس ادا کرتے۔

☆المبسوط للسرخسی ۸/۱۰☆☆ المؤطا للامام مالک: كتاب الزكاة، باب جزية اهل الكتاب والمجوس

☆☆☆ خاتم النبین القسم الثانی، العهد المدنی، ص:۱۱۱۱، مولفہ محمد ابو زہرہ۔

۲۔ ٹیکس کی مقدار بھی متعین نہیں تھی بلکہ وہ ضرورت اور ادائیگی کی قدرت کے حساب سے کم اور زیادہ ہوتی رہتی، کسی پر اس کی استطاعت سے زیادہ ٹیکس نافذ نہیں کیا جاتا، کہ یہ قرآنی اصول کے خلاف ہے۔

۳۔ ٹیکس کے سلسلے میں اعتدال کی راہ اختیار کی گئی افراط وتفریط کو کبھی جگہ نہیں دی گئی، عدل وانصاف کا ترازو ہمیشہ غالب رہا۔

ذمیوں سے وصول کیا جانے والا ٹیکس ان کے تحفظ اور سہولیات کی فراہمی کے لیے خرچ کیا جاتا، اس ٹیکس کے عوض انہیں متعدد قسم کی مراعات دی جاتیں، یہی وجہ ہے کہ ذمی اسے برضا ورغبت ادا کرتے، ٹیکس کے عوض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جو مراعات عطا کی تھیں ان میں بعض حسب ذیل ہیں۔

ا۔ انہیں عقیدے کی مکمل آزادی دی گئی، اسلام نے زبردستی دین میں داخل کرنے کی پالیسی کو ناپسند کیا، اور نہ ہی مسلمانوں کو اِس کا مکلّف بنایا کہ دوسری قوموں کو جبر واکراہ کے ساتھ اسلام میں داخل کیا جائے، بلکہ مسلمانوں پر صرف دین کی دعوت اور اسلامی عقائد ونظریات کی تبلیغ کو واجب کیا، ماننا نہ ماننا یہ مخاطب کی صواب دید پر ہے، حق کی تبلیغ کے بعد مومن کی ذمے داری ختم ہو جاتی ہے اور بس۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے نام اپنے مکتوب میں فرمایا: "**من كره الاسلام من يهودى او نصرانى ، فانه لا يحول عن دينه وعليه الجزية**"☆

ترجمہ: یہودی یا نصرانی میں سے جو اسلام کو ناپسند کرے اسے اس کے دین سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا، ہاں اس پر جزیہ لاگو ہوگا۔

ان کے لیے یہ مذہبی آزادی ہی تھی کہ ان کی عبادت گاہوں کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا تھا، اور نہ ہی انہیں اپنے مذہبی شعائر کی ادائیگی سے روکا جاتا تھا، ان کے دینی معاملات میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کی جاتی، جب تک نقضِ عہد یا نقضِ امن کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا ان کے

☆مصنف عبدالرزاق ۶/۱۰۰ ۱۰۱۰

کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کی جاتی۔

اہلِ نجران کے نام لکھے گئے مکتوب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ولنجران وحاشيتهم جوار الله وذمة محمد النبی رسول الله صلی الله علیه وسلم علیٰ انفسهم و ملتهم وارضهم واموالهم وغائبهم وشاهدهم وبيعهم وصلواتهم لا يغيروا اسقفا عن اسقفيته ولا راهبا عن رهبانيته ولا واقفا عن وقفانيته وكل ماتحت ايديهم من قليل او كثير“☆

ترجمہ: نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ حاصل ہے، ان کی جانیں ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر، غائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے، کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی ملکیت میں موجود ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی۔

اسلامی دور حکومت میں دارالاسلام میں متعدد گرجا گھر، کلیسے اور غیر مسلموں کی دیگر عبادت گاہیں موجود رہیں، مسلمانوں کے غلبہ اور مکمل تسلط کے باوجود ان عبات گاہوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا بلکہ اسلامی حکومت میں ان کی حفاظت اور دیکھ ریکھ کا انتظام کیا گیا، غیر مسلموں کو ان کے مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لیے سہولیات فراہم کی گئیں۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ حقوق میں ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت بھی تھی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لعلكم تقاتلون قوما فتظهرون عليهم فيتقونكم باموالهم دون انفسهم وابنائهم ، فيصالحونكم على صلح ثم اتفقا فلا تصيبوا منهم شيئا فوق ذلك فانه لايصلح لكم. ☆☆**

ترجمہ: ہوسکتا ہے کہ تم کسی قوم سے جنگ کرو اور ان پر غالب آجاؤ تو وہ خود کو اور اپنی

☆الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج ا ص ۲۲۸

☆☆سنن ابی داؤد: كتاب الخراج والامارة والفئی، باب فی تعشير اهل الذمة اہ

اولاد کو اپنے مال کے ذریعہ تم سے بچائیں نتیجتاً کسی معاملہ میں تم سے صلح کرلیں، تو ان سے اس سے زیادہ کچھ نہ لو، اس لیے کہ یہ تمہارے لیے بہتر نہیں ہے۔

یعنی غیر مسلموں سے کسی چیز پر صلح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے لیے اس سے زیادہ کے مطالبہ کی اجازت نہیں، کیوں کہ یہ نقضِ عہد اور وعدہ خلافی ہے اور یہ دونوں چیزیں قرآن و حدیث کی روشنی میں ممنوع ہیں۔

اس ضمن میں حضرت عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

”عن العرباض بن سارية السلمی قال نزلنا مع النبی صلی الله علیه وسلم خیبر ومعه من معه من اصحابه وكان صاحب خیبر رجلا ماردامنكرا فاقبل الی النبی صلی الله علیه وسلم ، فقال يا محمد (صلی الله علیه وسلم)الكم ان تذبحوا بقرناوتاكلوا ثمرناوتضربوا نساء نافغضب يعنی النبی صلی الله علیه وسلم وقال يا ابن عوف اركب فرسک ثم ناد الاان الجنة لا تحل الا لمومن وان اجتمعوا للصلاة قال فاجتمعوا ثم صلی بهم النبی صلی الله علیه وسلم ثم قام فقال : ايحسب احدكم متكئا علیٰ اريكته قد يظن ان الله لم يحرم شيئا الا ما فی هذاالقرآن ، الا وانی والله قد وعظت وامرت ونهيت عن اشياء انها لمثل القرآن اواكثر ، وان الله عزوجل لم يحل لكم ان تدخلوا بيوت اهل الكتاب الا باذن ولاضرب نسائهم ولا اكل ثمارهم اذا اعطوكم الذی عليهم . ☆

حضرت عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ خیبر پہنچے، خیبر کا حاکم ایک شریر اور سرکش شخص تھا، وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

☆سنن ابی داؤد: کتاب الخراج ، باب فی تعشير اهل الذمة.۳/ ۶۸

کیا آپ کے لیے جائز ہے کہ ہمارے گدھوں کو ذبح کر ڈالیں؟ ہمارے پھل کھا جائیں اور ہماری عورتوں کو ماریں، اس کی یہ بات سن کر سرکار سخت ناراض ہوئے اور فرمایا اے ابن عوف! اپنے گھوڑے پر سوار ہوجاؤ اور یہ اعلان کردو کہ جنت حلال نہیں ہے مگر مومن کے لیے، اور نماز کے لیے جمع ہوجاؤ، سب نماز کے لیے جمع ہو گئے، آپ نے نماز پڑھائی، نماز سے فراغت کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص مسند پر ٹیک لگا کر یہ سمجھتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ نے انہیں چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے، غور سے سن لو میں نے تمہیں چند باتوں کی نصیحت کی اور چند باتوں کا حکم دیا، اور چند باتوں سے منع کیا یہ چیزیں اتنی ہی ہیں یا اس سے زائد۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اہل کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخلہ کو حلال نہیں کیا، اور نہ ہی ان کی عورتوں کو مارنا جائز رکھا اور نہ ہی ان کے پھلوں کو کھانا مگر جب کہ وہ پھل اس طرح دیے جائیں جس طرح ان پر دینا مقرر ہے (یعنی جزیہ کے طور پر)۔

۳۔ ذمیوں کو دی جانے والی سہولتوں میں ظالموں کا دفاع بھی تھا، جب ان پر کوئی جماعت زیادتی کرتی تو ان کا دفاع دولت اسلامیہ کا فریضہ ہوتا، خواہ ظلم کرنے والے دوسری سلطنت کے افراد ہوں یا اہل ذمہ میں سے کوئی یا دارالاسلام میں بسنے والے مسلمانوں میں سے کوئی، ان پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں ہوسکتا، کیوں کہ وہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں تھے، یہی وجہ ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے خلفا کے لیے یہ وصیت فرمائی:

" واوصیہ بذمة الله وذمة رسوله ان یوفی لهم بعهدهم وان یقاتل من ورائهم والا یکلفوا الا طاقتهم "☆

ترجمہ: میں اپنے بعد خلیفہ بننے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے اور جس کا اس کے رسول نے ذمہ لیا ہے ان کے ساتھ ایفائے عہد کیا جائے اور ضرورت

☆صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب یقاتل ولا یسترقون.

پڑے تو ان کی خاطر لڑنے سے بھی گریز نہ کیا جائے اور ان سے کام نہ لے مگر ان کی طاقت کے مطابق۔

۴۔ مسلمانوں کے لیے اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال رکھا گیا، ان کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال قرار دیا گیا، قرآن پاک میں فرمایا گیا:

"اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلاَ مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ "☆

ترجمہ: آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال ہوئیں، اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہوا، اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، اور پارسا عورتیں مسلمان اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی جب تم انہیں ان کے مہر دو قید میں لاتے ہوئے اور نہ مستی نکالتے، نہ آشنا بناتے ہوئے۔ (کنزالایمان)

۵۔ ان سے ملاقات اور بیمار پڑ جائیں تو ان کی عیادت کو جائز قرار دیا، روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی بچے کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس کے سر ہانے تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا: "اسلم" تو بچے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، اس کے باپ نے کہا: **اطع ابـالـقـاسم**" ابوقاسم کی بات مان لو، تو بچہ ایمان لایا، سرکار مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: **الحمد لله الذی انقذه من النار**" تمام تعریفیں اس رب ذوالجلال کے لیے جس نے اس بچے کو جہنم کی آگ سے بچا لیا۔☆☆

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما(ا) سے روایت ہے کہ ہمارے پاس سے ایک جنازے کا گزر ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور ہم بھی کھڑے ہوئے، ہم

☆القرآن الکریم المائدہ:۵

☆☆صحیح بخاری: کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی فمات ا۵، ۲/ ۱۱۸ (ا) وصال ۷۸ھ/۶۹۷ء

نے عرض کیا یارسول اللہ یہ یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: **اذا رئیتم الجنازة فقوموا** ''جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوجاؤ۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ سرکار نے فرمایا: کیا وہ انسان نہیں تھا؟۔☆

٦۔مسلمانوں کو ذمیوں کے ساتھ حسن معاملت کا حکم دیا گیا، بلکہ انسانیت کی بنیاد پر تمام انسانوں کے ساتھ حُسن معاملت کا حکم دیا،ایک ذمی اگر مسلمان ہوجائے اور اس کا باپ کفر پر قائم رہے،اسلام قبول کرنے والے اس بیٹے پر لازم ہے کہ اپنے باپ کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے اور جہاں تک ہوسکے ان کی اطاعت کرے، ہاں اگر ان کا کوئی حکم اسلامی عقائد سے متصادم ہو تو اطاعت واجب نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آباء واجداد کے ساتھ حُسنِ معاملت کا حکم دیا اگرچہ وہ کفر وشرک پر ہی کیوں نہ قائم ہوں۔

اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا (ا) سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میری والدہ جو کہ مشرکہ تھیں معاہدہ قریش کے زمانے میں اپنے لڑکے کے ساتھ میرے پاس آئیں،تو میں نے ان کے بارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری ماں میرے پاس آئی ہیں اور وہ مجھ سے ملاقات کی خواہش مند ہیں، کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔☆☆

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ (۲) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، کہتے ہیں کہ ایک بار سرکار کی بارگاہ میں ایک مہمان آئے تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مدینہ کے ایک یہودی کے پاس سودا سلف لانے کے لیے بھیجا، میں سرکار کے حکم کے مطابق اس یہودی کے پاس آیا،تو اس نے کہا کہ میں بغیر رہن کے سودا نہیں دوں گا، میں نے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی آپ نے ارشاد فرمایا: **انی لامین فی اهل السماء وفی اهل الارض، فاحمل درعی الیه**'' میں اہلِ آسمان اور اہلِ زمین کے درمیان امین ہوں، میری

☆ صحیح بخاری: کتاب الجنائز ،(ا) وصال ۷۳ھ/۶۹۲ء
☆☆ صحیح بخاری: کتاب الجزیه و الموادعة باب اثم من عاهدثم غدر (۲) وصال ۴۰ھ/۶۶۰ء

زرہ یہودی کے پاس لے جاؤ۔☆

روایات سے ثابت ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا جس وقت وصال ہوا اس وقت وہ زرہ اسی یہودی کے پاس تیس صاع آٹے کے عوض گروی تھی۔☆☆

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف کے ایک یہودی کے پاس قرض کے لیے کیوں بھیجا، کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کوئی سرکار کو قرض نہیں دے سکتا تھا، سرکار تو دولتِ اسلامیہ کے فرماں روا تھے،صحابہ سرکار کے ایک اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ نچھاور کردینے میں فخر محسوس کرتے تھے،صحابہ کرام میں کئی حضرات صاحب ثروت بھی تھے، پھر ایک معمولی چیز کے لیے آپ نے اپنے غلام کو ایک یہودی کے پاس کیوں بھیجا؟ دراصل سرکار اپنے صحابہ اور اپنی امت کو یہ درس دینا چاہتے تھے مدینہ شریف میں بسنے والے غیر مسلمین کے ساتھ لین دین اور معاملات میں کوئی قباحت نہیں ،ضرورت پڑے تو انہیں قرض دے سکتے ہو اور ان سے قرض لے سکتے ہو،ان کو سماج سے کاٹ دینا اور ان سے سارے تعلقات منقطع کر لینا ضروری نہیں۔اسلام نفرت کا داعی نہیں بلکہ محبت اور انسانیت کا دین ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مدینہ کے جس یہودی سے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کے لیے اپنے غلام کو بھیجا وہ مدینہ کا باشندہ تھا، اس کی ساری معاشی سرگرمیاں مدینہ ہی میں تھیں، اس کو کسب معاش، بیع اور تجارت کی مکمل آزادی حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ وہ معاشی طور پر اس قدر خوش حال تھا کہ دوسروں کو قرض بھی دیا کرتا تھا، کیا تاریخ اس کی مثال پیش کرسکتی ہے کہ کسی مملکت کے مقتدر اعلیٰ کو اس کی رعیت قرضہ دے، یقیناً یہ سرکار کی انسانیت نواز پالیسیوں اور اسلام کے آفاقی نظریات ہی کا فیضان تھا۔اس واقعہ کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس یہودی نے سرکار کے غلام کو یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ بغیر رہن کے قرضہ نہیں دوں گا، اگر سرکار چاہتے تو اس کی اس گستاخانہ جرأت کی کڑی سزا دیتے ،لیکن سرکار نے اس سے مواخذہ نہیں فرمایا، اور

☆ تفسیر طبری ۱۶/۲۳۵ ☆☆ صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب وفاة النبی صلی الله علیه وسلم.

اپنے غلام کو اپنی زرہ لے کر بھیج دیا، اگر دارالاسلام میں غیر مسلموں کو خوف و ہراس میں رکھا جاتا اوران پر دہشت قائم کی جاتی تو ہرگز یہودی اس کی جرأت نہیں کرتا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں بسنے والے غیر مسلموں کو ہر طرح کی آزادی عطا کی تھی، وہ اپنے عقائد ونظریات میں بھی آزاد تھے، اور پنے معاملات میں بھی۔

دارالاسلام میں غیر مسلموں کو عطا کیے گئے حقوق میں سے چند حقوق کا تذکرہ درجِ بالاسطور میں ہوا، اختلافِ دین کے باوجود اِن سہولیات کی فراہمی اور مذہب وعقیدے کی مکمل آزادی، جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت میں ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ یقیناً بڑی بات ہے، جس کی مثال دنیا کی کسی قوم اور کسی مذہب میں نہیں ملتی، آج عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جارہا ہے اور مسلمانوں کو ایک ظالم اور شدت پسند قوم کی حیثیت سے متعارف کرایا جارہا ہے، اور سب سے افسوس کی بات یہ ہے کہ اس میں اہم کردار وہی یہودی ادا کر رہے ہیں جن کے ساتھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھلائی اور خیر خواہی کا معاملہ کیا، مکمل غلبہ اور طاقت کے باوجود ان پر ادنی ظلم بھی نہیں ہونے دیا، ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے سخت قوانین نافذ فرمائے، لیکن دنیا کی سب سے زیادہ احسان فراموش اور بدترین قوم یہودیوں نے احسان کا بدلہ چکانے کے بجائے اسلام کی بیخ کنی کی مذموم کوششوں کے ذریعہ انسانیت کی ساری حدیں پار کردیں۔ اسلام حق تلفی اور بے گناہوں پر ظلم وجبر کا حامی نہ سرکار کے زمانے میں تھا اور نہ آج اسلام اس کی حمایت کرتا ہے۔ اسلام حقوقِ انسانی کا سب سے بڑا علم بردار ہے، صرف نظریاتی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دنیا کے سامنے حقوقِ انسانی کی پاس داری کا لازوال نمونہ پیش کیا۔

عہد نبوی کے بعد خلافتِ راشدہ میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کیا جاتا رہا، ان کے حقوق کی پاس داری کی گئی، بیہقی شریف کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک یہودی پڑوسی تھا، آپ جب کبھی بکری ذبح فرماتے تو اس یہودی سے فرماتے

اس کے گوشت میں سے کچھ تم بھی لے جاؤ، اس لیے کہ میں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: **مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه**'' مجھے جبریل پڑوسیوں کے سلسلے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا انہیں وَارِث بنادیا جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج بھی اسلام کے ماننے والے ان نفوسِ قُدسیہ کے طرزِ عمل کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتے ہیں۔

☆☆☆

عہد نبوی میں
مستامن کے ساتھ برتاؤ

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں دارالاسلام میں جو غیر مسلمین قیام پذیر تھے ان میں ایک گروہ مستامنین کا تھا، ذمی اور مستامنین میں فرق یہ ہے کہ دارالاسلام میں ذمیوں کا قیام دائمی ہوا کرتا تھا جب کہ مستامنین ایک محدود مدت کے لیے جان ومال اور عزت وآبرو کی امان لے کر قیام کیا کرتے تھے۔ابن قیم نے" **احکام اھل الذمه**" میں مستامنین کے اقسام کے سلسلے میں لکھا ہے کہ:

"المستا من هو الذی یقدم بلا دالمسلین من غیر استیطان لها، وهولاء اربعة اقسام :رسل ،تجار، مستجیرون حتی یعرض علیهم الاسلام .... وطالبو حاجة من زیارة وغیرها"☆

ترجمہ: مستامن اس (غیر مسلم) کو کہتے ہیں جو اسلامی ملک میں (بطور وطن) مستقل رہائش کا ارادہ کیے بغیر آئے ،اس کی چار قسمیں ہیں،سفیر،تاجر، پناہ چاہنے والے،زیارت وغیرہ دیگر ضرورت کے خواستگار،ان سب پر اسلام پیش کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مستامنین کے تعلق سے ارشاد فرمایا:

" وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ"☆☆

اور اے محبوب اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دو۔(کنزالایمان)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

"من قدم من دارالحرب الیٰ دارالاسلام فی اداء رسالةاو تجارة او طلب صلح او مهانة او حمل جزیة ،اونحو ذلک من الاسباب، وطلب من

☆احکام اہل الذمۃ ۲/۴۷۶ ☆☆القرآن الکریم،التوبہ،۶

الامام او نائبه امانا اعطیٰ مادام مترددا فی دارالاسلام الیٰ ان یرجع الیٰ مامنه و وطنه"☆

ترجمہ: جو شخص دارالحرب سے دارالاسلام آئے خط پہنچانے کے لیے،صلح چاہنے، یا کسی پیشہ کی تلاش میں یا پھر جزیہ لانے کے لیے یا ان جیسی دوسری ضرورتوں کے تحت اور وہ امام یا اس کے نائب سے امان طلب کرے تو امام اسے امان دے جب تک کہ وہ دارالاسلام میں رہے، یہاں تک کہ وہ اپنے وطن کو واپس ہو جائے۔

اسلام نے عقدِ امان کے ذریعہ دارالاسلام میں سکونت اختیار کرنے والے غیر مسلموں کے لیے بھی لطف وکرم کے دروازے کھول دیے،ان کے ساتھ سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں، جب تک وہ دارالاسلام میں قیام پذیر ہیں ان کے جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا ذمہ لیا، غیر مسلموں کے جو افراد دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے امان لے کر سکونت اختیار کرتے انہیں تجارت کی تمام سہولیات فراہم کی جاتیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جان ومال کی حفاظت اور ان کے احترام کے تعلق سے فرمایا:

"المومنون تتکافاء دماهم ویسعیٰ بذمتهم ادناهم وهم ید علیٰ من سواهم ، الا لایقتل مومن بکافرولا ذو عهد فی عهده"☆☆

ترجمہ: سب مسلمانوں کا خون ایک جیسا ہے غیر مسلموں کے خلاف وہ ایک دوسرے کے دست وبازو ہیں ان کا ادنیٰ فرد بھی ذمے داری میں کوشاں ہوگا، آگاہ رہو کہ کافر کے بدلے مومن کو قتل نہیں کیا جائے گا۔اور نہ کسی ذمی کو زمانہ ذمہ میں۔

غیر مسلموں کو دی گئی امان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر پاس ولحاظ رکھا کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔

☆تفسیر ابن کثیر ۲/۵۶

☆☆سنن ابی داؤد : **کتاب الدیات ، باب ایقادالمسلم بکافر،**

حضرت ام ہانی (۱) جو حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، فرماتی ہیں کہ میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما رہے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (۲) پردہ کی ہوئی ہیں، میں نے سرکار کو سلام کیا، آپ نے فرمایا کون؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں ام ہانی بنت ابو طالب ہوں، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خوش آمدید ام ہانی! جب آپ غسل سے فارغ ہو گئے تو ایک کپڑے میں ملبوس ہو کر آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی، جب فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ”**زعم ابن امی انه قاتل رجلا اجرته...**

ترجمہ: میرے بھائی علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا خیال ہے کہ وہ ایسے شخص کو قتل کر دیں جس کو میں نے امان دی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”**اجرنا من اجرت یا ام ھانی**“ اے ام ہانی جنہیں آپ نے امان دیا انہیں ہم نے امان دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستامنین کا قتل حرام قرار دے کر ان کی زندگی کی حفاظت کی دائمی ضمانت عطا فرمائی، ارشاد فرمایا: **من قتل معاھدا لم یرح رائحة الجنة**“ جس نے مستامن کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

مستامن کو جب امان حاصل ہو جائے تو اسے دارالاسلام میں قیام کے ساتھ ساتھ بہت سارے حقوق بھی حاصل ہو جاتے ہیں، مستامن دارالاسلام میں قیام کے دوران پورے امن وسکون کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ آ جا سکتا ہے، اسے کام کاج کرنے، تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لے کر کسبِ معاش کرنے کی پوری آزادی دی جاتی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان سارے حقوق کے ساتھ مذہبی آزادی بھی عطا فرمائی، ان کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے کسی بھی طریقے سے مجبور کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان کے ساتھ کیے گئے وعدوں کو پورا کریں، ان کی کسی طرح ایذا رسانی نہ ہو، بلکہ ان کے جان و مال کی مکمل حفاظت کی جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستامنین کے ساتھ

(۱) وصال ۴۰ھ/۶۶۰ء۔ (۲) وصال ۱۱ھ/۶۳۲ء

دھوکہ دہی کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی، ارشاد فرمایا:

”**ایما رجل امن رجلا علیٰ دمه ثم قتله وجبت له النار، وان کان المقتول کافرا**“☆

جس نے کسی کو جان کی امان دیا، پھر اس کو قتل کر دیا اس پر جہنم واجب ہو گئی اگرچہ مقتول کافر ہی کیوں نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام غیر مسلموں کو امان عطا فرمائی جو دین اسلام کے تعلق سے اپنے شبہات کے ازالے یا اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے دارالاسلام آیا کرتے تھے، ایسے لوگوں کو نہ صرف یہ کہ امان عطا کی جاتی تھی بلکہ افہام وتفہیم کے لیے کوششیں بھی کی جاتی تھیں، کیوں کہ یہ غلط فہمیوں کے ازالہ اور دین کی تبلیغ واشاعت کا موثر ذریعہ تھا، جیسا کہ حدیبیہ کے دن مشرکینِ قریش کے کئی افراد سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان کسی معاملے کی بات چیت کرنے کے لیے حاضر ہوئے، جس میں عروہ بن مسعود، مِکرز بن حفص، سہیل بن عمرو وغیرہ افراد شامل تھے، سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہو کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادب واحترام اور ان کی جاں نثاری کے مناظر دیکھے، اور اپنی قوم میں واپس ہو کر سرکار کی عظمت اور صحابہ کی بے مثال جاں نثاری کے چشم دید حالات بیان کیے، یہ وہ چیزیں تھیں جو دعوتی نقطہ نظر سے اہمیت کی حامل تھیں، امان کا بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ باہمی میل جول کی وجہ سے کفار تک اسلام کا پیغام پہنچانا بہت آسان ہو جاتا اور دین کی تبلیغ کے کام میں سہولت فراہم ہوتی۔

غیر مسلموں کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ برتاؤ عام حالات ہی میں نہیں تھا بلکہ جنگ کے زمانوں میں بھی اگر کوئی امان حاصل کرنا چاہتا تو اسے امان عطا فرماتے، ان کے ساتھ رواداری کا معاملہ فرماتے، لیکن جو کفار ومشرکین مسلمانوں کے آزار کے درپے ہوتے ، مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ان کے لیے جنگ کا اعلان ہوتا۔

☆ صحیح ابن حبان ۱۳/۳۲۰

عہد نبوی میں
غیر مسلموں کے قاصدین کے ساتھ برتاؤ

نبی کریم علیہ الصلاۃ و التسلیم کے عہدِ مبارک میں غیر اسلامی حکومتوں کی طرف سے دارالاسلام آنے والے قاصدین کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا جاتا، ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کو ترجیحی طور پر اہمیت دی جاتی، زمانہ جاہلیت میں بھی قاصدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا تھا، اسلام نے اس سلوک کو برقرار رکھا، کیوں کہ قاصدین دوملکوں یا قوموں کے درمیان صلح ومعاہدہ کے سفیر ہوتے ہیں، ان ہی کے توسط سے آپسی جنگ یا صلح کا معاملہ طے ہوتا ہے۔

مُسَیلمہ کذاب کے دوقاصد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، سرکار نے ان سے ان کی آمد کا مقصد پوچھا، انہوں نے اپنی باتیں کہیں، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اما واللہ لو لا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما"☆

ترجمہ: قسم اللہ کی اگر قاصدوں کے قتل نہ کرنے کا رواج نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن اڑادیتا۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض قاصدین کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دیا کرتے تھے، قاصدین کی دہشت زائل کرنے اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں اپنے ساتھ بٹھاتے، ایسا ہی برتاؤ آپ نے آنے والے وفود کے سرداروں کے ساتھ بھی کیا، یہ سب کچھ آپ کے بلند اخلاق اور انسانیت نوازی کا نتیجہ تھا۔ آپ آنے والے قاصدین اور وفود کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، ان کی اعلیٰ ضیافت کا انتظام فرماتے، واپسی کے وقت قیمتی تحائف پیش فرماتے، ایک بار بادشاہ ہرقل کا قاصد سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت اسے تحفہ پیش کرنے کے لیے کوئی

☆ سنن ابی داؤد: کتاب الجہاد، باب فی الرسل

چیز موجود نہ تھی، آپ نے اس پر اس قاصد سے معذرت کا اظہار کیا اور ارشاد فرمایا:

"ان لک حقا وانک رسول ، فلو وجدت عندنا جائزۃ جوزنا بھا، انا سفر مرملون"

ترجمہ: بے شک تمہارا بھی ایک حق ہے اور بلاشبہ تم ایک ایلچی ہو اگر ہم انعام کی کوئی چیز پاتے تو ضرور انعام دیتے۔

معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ آپ کے جاں نثار صحابی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قاصد کو میں تحفہ پیش کروں گا، آپ نے اپنے پاس سے ایک قیمتی صفوری جوڑا سرکار کے قدموں میں ڈال دیا، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " ایکم ینزل ھذا الرجل" تم میں کون ان کی ضیافت کرے گا، ایک صحابی رسول کھڑے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ان کی ضیافت کروں گا۔ ☆

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصدین کو تحفے پیش کرنے کا حکم دیا، حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (۱) فرماتے ہیں آپ نے اپنے وصال کے وقت تین چیزوں کی وصیت فرمائی، صحیح بخاری کی حدیث کے الفاظ ہیں:

"واوصی عند موتہ بثلاث اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب، واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم ، ونسیت الثالثۃ"☆☆

ترجمہ: اور اپنے وصال کے قریب تین باتوں کی وصیت فرمائی، مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا، قاصدوں کو اسی طرح انعامات دیا کرنا جس طرح میں دیا کرتا تھا، (راوی کہتے ہیں) تیسری بات میں بھول گیا۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) کو قریش نے قاصد بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا تو

☆ البدایۃ والنہایۃ ۷/۷۶ا (ا) وصال ۶۷ھ/۶۸۶ء

☆☆ صحیح بخاری: کتاب الجہاد والسیر، باب جوائز الوفد (۲) وصال ۴۰ھ/۶۶۰ء

میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی گئی، میں سرکار کی بارگاہ میں عرض گزار ہوا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں کبھی ان کی طرف نہیں لوٹوں گا، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ قاصد کو روکے رکھوں گا، تم واپس چلے جاؤ، اب جو چیز تمہارے دل میں ہے اگر یہ برقرار رہے تو لوٹ آنا۔

سنن ابوداؤد میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

”عن الحسن بن علی بن ابی رافع ان ا با رافع اخبرہ، قال بعثنی قریش الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القی فی قلبی الاسلام فقلت یارسول اللہ انی واللہ لا ارجع الیھم ابدا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا اخیس بالعھد ولا اخیس البرد ولکن ارجع فان کان فی نفسک الذی فی نفسک الاٰن فارجع“☆

ترجمہ: ابورافع فرماتے ہیں کہ مجھے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا، تو میرے دل میں اسلام ڈال دیا گیا، لہٰذا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب میں قریش کے پاس لوٹ کر نہیں جاؤں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بے شک میں بدعہدی نہیں کرتا اور نہ ہی میں قاصدوں کو ذلیل کرتا ہوں لہٰذا تم واپس جاؤ اگر تمہارے دل میں جو چیز ہے، باقی رہے تو پھر آنا۔

تاریخ اس بات پر بھی گواہ ہے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ (۱) جن پر قبول اسلام سے پہلے نقضِ عہد کا الزام تھا اور وہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قریش کے قاصد کی حیثیت سے آئے تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی تعرض نہ فرمایا، نقض عہد کا جُرم لائق گردن زدنی تھا لیکن چوں کہ وہ مشرکین مکہ کے قاصد کی حیثیت سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اسی لیے امن وامان کے ساتھ واپس ہوئے۔☆☆

☆ سنن ابی داؤد: **کتاب الجھاد، باب فی الامام یستجن بہ فی العھود، حدیث: ۲۷۶۰**

☆☆ زادالمعاد لابن القیم، ۴۲۲/۳ (۱) وصال ۵۴ھ / ۶۵۶ء

غیر مسلموں کے قاصدوں کے ساتھ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ برتاؤ کی یہ ادنیٰ سی جھلک تھی، اورآقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کا ایک نمونہ۔ ورنہ نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک گوشہ شفقت ورحمت کے واقعات سے پُر ہے، آپ کی شفقتوں سے اپنے بھی مستفید ہوئے اور غیر بھی، ایسا کیوں نہ ہو آپ رحمتِ عالم بنا کر بھیجے گئے تھے، آپ پوری انسانیت کے لیے رحمت تھے، اور آپ کی رحمت کا شامیانہ پورے عالم انسانیت پر سایہ فگن تھا۔

☆☆☆

عہد نبوی میں
غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ برتاؤ

کفار ومشرکین کے ساتھ جنگوں میں جو شکست خوردہ افراد قید کیے جاتے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ساتھ جیسا شفقت ورحمت کا برتاؤ ہوتا اس کی نظیر پوری تاریخ انسانی میں کہیں نہیں ملتی ، یہ قیدی ایسے افراد ہوتے جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہوتے ،اور مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے میدان کارزار میں برسرِ پیکار ہوتے ،مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست ونابود کرنا ان کا سب سے اہم مقصد ہوتا، اگر انہیں موقع ملتا تو اپنا کوئی وار مسلمانوں کی گردنیں جسموں سے جدا کرنے سے خالی نہیں چھوڑتے ،ان سخت ترین دشمنوں کے ساتھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے مشفقانہ برتاؤ اور عفو ودرگزر کے قصے بڑے حیران کن ہیں۔ دنیا کا کون ایسا قائد ورہنما ہوگا جو اپنے خون کے پیاسوں کے ساتھ عفو ودرگزر کی ایسی مثال قائم کرسکے۔

جنگی قیدیوں کے سلسلے میں اسلام کے دو بنیادی نقطہ نظر کو ذہن نشیں کر لینا ضروری ہے۔

ا۔ جو کفار مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں ان کو جنگ میں قتل کیا جائے اور ایسی شکست دی جائے کہ وہ زمین میں فساد پھیلانے کے قابل نہ رہیں ،جنگوں سے اسلام کا مقصد دنیاوی دولت کا حصول نہیں ہے بلکہ ایک معبود کی پرستش کی دعوت کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کو راستہ سے ہٹانا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

”مَا كَانَ لِنَبِیٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسرىٰ حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الآخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ .☆

ترجمہ: کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خوب خوب خون نہ بہائے ،تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اللہ آخرت چاہتا ہے، اللہ غالب حکمت

☆ القرآن الکریم، الانفال ٦٧

والا ہے۔(کنزالایمان)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگی قیدیوں کے ساتھ قرآنی اصولوں پر عمل پیرا تھے، قرآن نے قیدیوں کے ساتھ دوطرح کے برتاؤ کا حکم دیا۔ا۔ان پر احسان کرکے انہیں بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا جائے۔۲.ان سے مال یا جان کا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

”فَإِذا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى إِذَا أَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّابَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا“☆

ترجمہ: تو جب کافروں سے تمہارا سامنا ہو تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کرلو تو مضبوط باندھو، پھر اس کے بعد چاہے احسان کرکے چھوڑ دو یا فدیہ لے لو، یہاں تک کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھ دے۔(کنزالایمان)

اسلامی جنگوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا بخوبی واقف ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی قیدیوں کے ساتھ پہلی صورت یعنی احسان کا معاملہ زیادہ فرمایا ہے، وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق جنگی قیدیوں سے فدیہ بھی وصول کیا، بعض کو سزائیں بھی دیں لیکن آپ کی رحمت وشفقت کا پہلو ہمیشہ غالب رہا۔

ابن قیم نے زادالمعاد میں تحریر کیا:

”كان يمن علىٰ بعضهم ويقتل بعضهم ويفادى بعضهم بالمال، وبعضهم بأسرى المسلمين وقد فعل ذلک كله بحسب المصلحة ، ففا دیٰ أسارىٰ بدربمال وقال: لوكان المطعم بن عدى حيا ثم كلمنى فى هولاء النتنى، لتركتهم له، وهبط عليه فى صلح الحديبية ثمانون متسلحون يريدون غرته فأسرهم ثم من عليهم واسر ثمامة بن اثال سيد بنى حنفية، ربطه بسارية المسجد ثم اطلقه فاسلم “☆☆

☆ القرآن الکریم، محمد:۴ ☆☆ زادالمعاد لابن القیم ۳/ ۱۰۹

ترجمہ: بعض کو امان دیتے بعض کو قتل کر دیتے اور بعض کو فدیہ لے کر رہا کر دیتے اور بعض مسلمانوں کے اسیر ہوتے ، یہ سب مصلحتوں کے پیش نظر ہوتا، چنانچہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر رہا کر دیا، اور ارشاد فرمایا اگر **مطعم** بن عدی زندہ ہوتا اور ان کے بارے میں بات کرتا تو ان کو میں اس کے لیے چھوڑ دیتا، صلح حدیبیہ کے موقع پر اسی سوار آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے تو ان کو آپ نے گرفتار کرالیا، ان پر احسان فرمایا(رہا کر دیا) ثمامہ بن اثال کو سید بن حنفیہ نے گرفتار کرلیا، اور مسجد کے ستون سے باندھ دیا پھر آزاد کر دیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔

نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی افراد کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے حسنِ سلوک کی ایک سنہری تاریخ مرتب کی ہے، حالاں کہ قیدی افراد جنگی مجرم سمجھے جاتے ہیں، ان کے ساتھ نہایت وحشت ناک اور بہیمانہ سلوک کیا جاتا ہے، جنگی قیدیوں جیسے اعلیٰ درجہ کے مجرمین اور کھلے دشمنوں کے ساتھ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت کی جلوہ سامانیوں کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

جنگ بدر کے قیدی جنہوں نے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مختلف صحابہ کرام میں تقسیم فرمادیا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا تاکیدی حکم فرمایا، صحابہ کرام نے ان کے ساتھ ایسا بلند اخلاق کا مظاہرہ کیا جیسا کوئی اپنے مہمان کے ساتھ کرتا ہے، بدر کے قیدیوں میں عاص بن ربیع بھی تھے وہ کہتے ہیں:

" کنت مع رهط من الانصار، جزاهم الله خير الجزاء، كنا اذا تعشينا اوتغذينا آثروني بالخبزة،وأكلواالتمر ، والخبز معهم قليل والتمر زادهم ، حتى ان الرجل لتقع في يده الكسرة فيدفعها اليّ، وكان الوليد بن مغيرة يقول مثل ذلك ويزيد: بل وكانو يحملوننا ويمشون"☆

ترجمہ: میں انصار کی ایک جماعت کے ساتھ تھا(اللہ ان کو بہتر جزا عطا فرمائے) تو جب ہم لوگ کھانا کھاتے تو مجھے روٹی پیش کرتے اور خود کھجور کھاتے جب کہ روٹی ان کے

☆تاریخ دمشق ۸/۳۷۷

پاس کم تھی اور کھجور ہی ان کا کھانا تھا، یہاں تک کہ اگر روٹی کا ٹکڑا ان میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں آجاتا تو مجھے دے دیتے، ولید بن مغیرہ نے بھی ایسا ہی بیان کیا، بلکہ وہ اتنا اور اضافہ کرتا ہے، کہ وہ ہم کو سوار کر دیتے اور خود پیدل چلتے تھے۔

بدر کے قیدیوں میں ابوعزیز بن عمیر بھی تھے جو مشرکین کے علم بردار تھے کہتے ہیں: مجھے ایک انصاری صحابی کے حوالے کیا گیا ان کا حال یہ تھا کہ صبح وشام مجھ کو روٹی کھلاتے اور خود کھجور پر اکتفا کرتے، اگر ان کے اہل خانہ سے کسی کو روٹی کا ٹکڑا بھی ملتا تو وہ مجھ کو دے دیتے اور خود اس کو ہاتھ بھی نہ لگاتے، اس قدر حسنِ سلوک پر مجھے حیا آتی تھی۔

سبل الہدیٰ والرشاد میں ہے:

"قال ابو عزيز.........اذا قدموا غداء هم وعشائهم خصوني بالخبز واكلواالتمر لوصية رسول الله صلى الله عليه وسلم اياهم بناماتقع في يد رجل منهم كسرة خبز الا نفحني بها"☆

ترجمہ: ابوعزیز نے بیان کیا کہ انصار جب صبح وشام کا کھانا پیش کرتے تو مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور کھاتے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بارے میں ان کو تاکید فرمادی تھی، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا آجاتا تو مجھے دے دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسنِ عمل کی تعریف اس آیت پاک میں فرمائی:

"وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً . إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاء وَلَا شُكُوراً ☆☆

ترجمہ: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے۔ (کنزالایمان)

☆ سبل الہدیٰ والرشاد ج:۴ص:۶۶، ابواب المغازی، الباب السابع ☆☆القرآن الکریم، الانسان ۸،۹

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم فرمایا حالاں کہ وہ ان دنوں مشرکین میں سے تھے۔☆

ابن جریج کہتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو قیدی نہیں بنایا کرتے تھے، یہ آیتِ مبارکہ غیر مسلم قیدیوں ہی کے بارے میں نازل ہوئی، یہی وجہ ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے حسنِ سلوک کا حکم فرمایا کرتے تھے۔☆☆

جنگ بدر میں دیگر قیدیوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی تھے، سارے قیدیوں کے ساتھ انہیں بھی لایا گیا اور دوسرے قیدیوں کی طرح انہیں بھی باندھ دیا گیا، اس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات نہ سو سکے، بعض صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کو کس چیز نے سونے نہیں دیا؟ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے عباس کے کراہنے نے سونے نہیں دیا، اسی در میان ایک صحابی رسول اٹھے اور ان کے باندھ کو کھول دیا، (تو ان کی کراہ بند ہوگئی) سرکار نے ارشاد فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی کراہ نہیں سن رہا ہوں، تو اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ان کے بندھ کو کھول دیا ہے، سرکار نے ارشاد فرمایا: تو سارے قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی کرو، یعنی ان کے بندھ کو کھول دو۔☆☆☆

ایک انصاری کا بیان ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی، آپ نے قبول فرمایا، ہم آپ کے ساتھ تھے، کھانا لایا گیا، ہم نے کھانا شروع کیا، ہم نے دیکھا کہ سرکار لقمہ کو منھ میں پھرا رہے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک ایسی بکری کا گوشت محسوس کر رہا ہوں جو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے، اس عورت نے خبر بھجوائی کہ میں نے نقیع کے بازار میں بکری خریدنے کے لیے بھیجا تھا، لیکن نہیں ملی، پڑوسی کے گھر سے خرید لایا، لیکن پڑوسی کی بیوی نے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر بکری بیچی ہے، آپ نے حکم دیا کہ گوشت

☆الدر المنثور ۱۵۳/۱۵۔☆☆مصدر سابق ☆☆☆طبقات کبریٰ لابن سعد ۱۳۴

غیر مسلم قیدیوں کو کھلا دو۔☆

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ نجد کی جانب روانہ فرمایا، یہ دستہ بنی حنیفہ قبیلے کے ایک شخص کو پکڑ لایا، جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا، اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے تو فرمایا: "**اطلقوا ثمامة**" ثمامہ کو چھوڑ دو، اسے چھوڑ دیا گیا تو وہ ایک نخلستان میں چلا گیا جو مسجد سے قریب تھا، وہاں اس نے غسل کیا، پھر مسجد میں داخل ہوا اور پکار اٹھا: **اشهد ان لا اله الاالله وان محمدا رسول الله**☆☆

ان تمام روایات سے جنگی قیدیوں کے ساتھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق اور کریمانہ سلوک کا پتہ چلتا ہے، اقوامِ عالم کی جنگوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشفقانہ برتاؤ کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، قیدیوں کے ساتھ یہ برتاؤ اسلام کا امتیاز ہے جو کسی مذہب اور قوم میں تاریخ کے کسی دور میں بھی روا نہیں رکھا گیا۔

شریعت اسلامیہ نے ان تمام شفقتوں کے ساتھ شرارت پر آمادہ قیدیوں کی سرزنش اور قتل کی بھی اجازت دی ہے، لیکن اس میں بے شمار حد بندیوں کے ذریعہ قیدیوں پر ظلم کے سارے راستے بند کر دیے گئے ہیں۔ قیدیوں کے قتل کا فیصلہ امام ہی لے سکتا ہے، کسی بھی مسلمان کے لیے امیر اسلام کی اجازت کے بغیر قیدی کو قتل کرنا جائز نہیں، ہاں اگر قیدی فتنے پر آمادہ ہے اور قتل کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تو امام کی رائے حاصل کرنے سے پہلے ہی قتل کیا جا سکتا ہے لیکن ایسا ہنگامی صورت حال ہی میں متصور ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لا يتعاطين احدكم اسير صاحبه اذا اخذه فيقتله**"☆☆☆

ترجمہ: تم میں سے کوئی اپنے نبی کے قیدی سے معاملہ نہ کرے بلکہ جہاں پکڑے وہیں قتل کر دے۔

☆☆ صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب الاغتسال اذا اسلم ۱/۱۲۵

☆☆☆ اخرجہ الطبرانی فی الکبیر ۲۶۸/۷ ☆سنن ابی داؤد: ج: ۲ کتاب البیوع باب فی اجتناب الشبهات .

عہد نبوی کی
اسلامی جنگوں میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو مشرکین مکہ کے درمیان جیسے بھونچال آگیا، چالیس سال تک آپ کی صداقت وامانت اور راست گوئی وخوش خلقی کی شہادت دینے والوں کے درمیان جب توحید کی دعوت پیش کی، بتوں کی عبادت سے روکا تو وہ آپ کا مذاق اڑانے لگے اور آپ کی جان کے درپے ہوگئے، آپ کو ہر طرح سے ستایا گیا، راستوں میں کانٹے بچھائے گئے، قتل کی سازش کی گئی لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں مکہ کے غیر مسلموں سے نفرت نہیں کی بلکہ مسلسل ان کی ہدایت کے لیے جدوجہد کرتے رہے، انہیں گمراہی کے راستوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر لانے کے لیے ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں، آپ کے صبر وضبط نے کفار کے حوصلے بڑھادیے، وہ آپ کے اصحاب کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنے لگے اور زیادتیوں کی ساری حدیں پار کردیں، مشرکین مکہ کی پیہم زیادتیوں سے مجبور ہوکر صحابہ کرام کو حبشہ پھر مدینہ منورہ ہجرت کرنی پڑی، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، جب مسلمان مدینہ میں آباد ہوگئے تو مشرکین مکہ نے یہود مدینہ سے ساز باز کرکے مسلمانوں کو ستانا شروع کردیا، کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے رہنے نہ دیا، جب کفارِ مکہ کی سرمستیاں تمام حدود سے تجاوز کرگئیں تو مکافاتِ عمل کا قانون حرکت میں آیا، خالق ارض وسما نے کفار کے غرور وتکبر کو خاک میں ملانے کے لیے مسلمانوں کو ان سے دو دو ہاتھ کر لینے کی اجازت دے دی، ارشاد فرمایا گیا:

''أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ. الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوَاتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا

وَّلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ. ☆

ترجمہ: ان کو جہاد کی اجازت مرحمت فرمادی گئی جن کے خلاف لڑا جاتا ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر خوب قادر ہے، وہ لوگ جنہیں ان کے اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا، صرف یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو یعنی ان کے ایک کو دوسرے کے ذریعہ ہٹانا نہ ہوتا تو (راہبوں کے) جھونپڑے، (عیسائیوں کے) گرجے، (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے ضرور ڈھادی جاتیں، اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے۔

پیر کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف صرف جہاد بالسیف کی اجازت ہی نہیں دی گئی بلکہ پروردگارِ عالم نے جہادِ اسلامی کے سارے فلسفے کو ان چند سطروں میں سمودیا ہے، آیت کریمہ کہہ رہی ہے کہ وہ مظلوم جن کے خلاف دشمنوں نے ایک عرصہ سے یک طرفہ جنگ شروع کررکھی ہے اور انہیں جواب میں تلوار اٹھانے کی اب تک اجازت نہ تھی، اب ان کے صبر کا امتحان ختم ہوگیا ہے اب انہیں بھی اجازت دی جارہی ہے کہ وہ دشمن کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیں، ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کردی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو یہ اجازت اس لیے دی جارہی ہے کہ ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، انہیں ستایا گیا، اذیتیں دی گئیں، آخر کار انہیں مجبور کردیا گیا کہ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر وطن عزیز سے ہجرت کرجائیں، جس جُرم کی ان کو اتنی کڑی سزا ملی وہ صرف اتنا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار یقین کرتے تھے، یہ آیت کریمہ جہاد فی سبیل اللہ کو بھی بیان کررہی ہے کہ جو لوگ خدا کی زمین پر خدا کا نام لینے والوں کو برداشت نہیں کرتے اگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنی ظالمانہ کارروائیوں کو جاری رکھنے کی کھلی چھوٹ دے دیتا تو روئے زمین پر کوئی ایسا گھر باقی نہ رہنے دیتے جو خدا کی عبادت کے لیے قائم ہوا تھا''۔ ☆☆

☆ القرآن الکریم / الحج ۳۹، ۴۰۔ ☆☆ ضیاء القرآن ۵۵۲/۵، ضیاء القرآن لاہور

لیکن اسلام نے مسلمانوں کو جنگ میں بے مہابا نہیں چھوڑا، بلکہ اس کے لیے اصول وقوانین بتائے، انسانیت کے احترام کا درس دیا، اور ایسا کیسے ہوسکتا تھا یہ کوئی قومی جنگ نہیں تھی جو قوموں کی برتری کے لیے لڑی جاتی ہے، یا دو قبیلوں کے درمیان بپا ہوتی ہے، بلفظِ دیگر اسلامی جنگ برائے جنگ نہیں تھی بلکہ ان جنگوں کے مقاصد بہت ہی عظیم تھے، جہاد میں فتح پانے کی غرض یہ قرار دی گئی کہ لوگوں کو عبادت وریاضت پر لگایا جائے اور فقرا کی دستگیری کی تلقین کے ساتھ عملی میدان میں اقدامات کیے جائیں، اچھی باتیں پھیلائی جائیں اور بُری باتوں سے روکا جائے۔

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

" الَّذِيْنَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ "☆

ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین پر قابو دیں تو نماز برپا رکھیں اور زکات اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور اللہ ہی کے لیے سب کاموں کا انجام۔ (کنزالایمان)

حاصل یہ کہ انسانوں کو انسانیت کا درس اور اللہ کے بندوں کو اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت کا پیغام دینا اسلامی جہاد کا خاص مقصد تھا۔

غیر مسلموں کے ساتھ لڑی جانے والی جنگوں میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصول وضوابط بیان فرمائے اور ان پر خود عمل بھی فرمایا اور صحابہ کو بھی اس پر عمل درآمد کی تاکید فرماتے رہے۔ جنگوں میں عفو ودرگزر کی چند جھلکیاں ہم یہاں پیش کر کے یہ واضح کرنا چاہیں گے کہ جنگوں میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ نرمی اور اعتدال پسندانہ برتاؤ روا رکھا گیا۔

۱۔ **جنگ سے قبل اسلام کی دعوت:** حتی الامکان کوشش کی جائے کہ جنگ کی نوبت نہ آئے یہی وجہ ہے کہ نبی کریم لشکرِ اسلام کو سبق دیتے ہیں، بریدہ کی روایت کردہ حدیث پاک ہے: کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو کسی لشکر یا سریہ کا امیر مقرر فرماتے تو انہیں

☆القرآن الکریم/الحج ۴۱

اللہ سے ڈرنے کی تاکید فرماتے اور ان کے ساتھ جو مسلمان ہوتے انہیں بھلائی کا حکم دیتے پھر ارشاد فرماتے:

" اغزوا فی سبیل اللہ..... واذالقیت عدوک من المشرکین فادعهم الیٰ ثلث خصال ، فایتهن ما اجابوک فاقبل منهم وکف عنهم "☆

ترجمہ: اللہ کی راہ میں جہاد کرو، اور جب تمہارے دشمن یعنی مشرکین کے ساتھ ملاقات ہو تو انہیں تین امور کی طرف بلاؤ، جسے وہ مان جائیں قبول کرلو اور ان سے اپنے آپ کو روک لو۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی قوم تک اسلام کی تبلیغ نہیں پہنچی تو ان سے جنگ جائز نہیں، اسی کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے: **"وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا"☆☆**

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: **ما قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوما حتی دعا هم الی الاسلام"☆☆☆**

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی دعوت سے پہلے کسی قوم سے جنگ نہیں کیا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سلامتی کا دین لے کر آئے تھے اور امن وسلامتی کی تعلیم دیتے تھے، اس امن وسلامتی کے فیضان سے مسلم اور غیر مسلم سبھی مستفیض ہوئے، آپ امن وسلامتی کے کس قدر خواہاں تھے اس کا اندازہ ان وصیتوں سے لگتا ہے جو مختلف مواقع پر آپ نے امیر لشکر سے فرمائیں۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"انفذ علیٰ رسلک حتی تنزل بساحتهم، ثم ادعهم الیٰ الاسلام ، واخبر هم بما یجب علهیم ، فو اللہ لان یهدی اللہ بک رجلا خیر لک من ان حمر النعم "☆☆☆☆

☆ صحیح مسلم: کتاب الجهاد، باب تامیر الامراء علی البعوث ووصیته ایا هم بآداب الغزو ☆☆الاسراء ۱۵

☆☆☆السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۱۰۷☆☆☆☆ صحیح بخاری: کتاب الجهاد، باب فضل من اسلم علی یدیه رجل

ترجمہ: چپکے سے جاؤ اور جب ان کے میدان میں پہنچنا، تو پہلے اسلام کی دعوت دینا اور بتانا کہ ان پر کیا واجب ہے، خدا کی قسم اگر خدا نے تمہارے ذریعہ ایک شخص کو ہدایت سے نواز دیا یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے،

ترمذی شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

" وکان سلمان الفارسی رضی الله عنه امیرا علیٰ جیش من جیوش المسلمین فحاصرو قصرا من قصور فارس فقالوا: یا ابا عبد الله ، الا ننهد الیهم ؟ قال دعونی ادعهم کما سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یدعوهم اه"☆

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۱) مسلمانوں کے ایک لشکر کے امیر تھے، اس لشکر نے فارس کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا تو لوگوں نے عرض کیا اے ابوعبداللہ، ان پر حملہ کر دیں؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے انہیں اسلام کی دعوت دے لینے دو جس طرح میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی دعوت دیتے سنا ہے۔

حضرت سلمان فارسی قلعے کے اندر تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فارسی زبان میں ایک خطاب فرمایا اور کہا کہ دیکھو میں اہلِ فارس میں سے ہوں لیکن اہل عرب نے مجھے عزت دی، تم بھی دین اسلام میں داخل ہو جاؤ تم بھی باعزت ہو جاؤ گے ورنہ تمہیں جزیہ دینا ہوگا یا ذلت اٹھانی ہوگی، فارس کے لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی اور کہا: ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو جزیہ ادا کریں، جب لشکر کو یہ بات معلوم ہوئی تو امیر لشکر سے حملے کی اجازت مانگی، آپ نے حملہ کرنے سے منع فرما دیا، اور تین دن تک وہیں قیام پذیر رہے جب حملے کے سوا کوئی صورت نہیں باقی رہی تو آپ نے حملے کی اجازت دے دی، اللہ کے فضل سے قلعہ فتح ہوگیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ عرب کے ایک علاقے میں بھیجا، اس میں

☆سنن ترمذی: کتاب السیر، باب ماجاء فی الدعوة قبل القتال. (۱) وصال ۳۵ھ/۶۵۶ء

شامل افراد نے اپنے دشمنوں کو دین کی دعوت دیے بغیر ان کے ساتھ جنگ کی اور انہیں اور ان کی اولاد کو قید کر لیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو سرکار نے ان سے اس سلسلے میں استفسار کیا انہوں نے خبر کی تصدیق کی تو سرکار نے ارشاد فرمایا: "**ردوهم الیٰ مأمنهم ثم ادعوهم** "،انہیں اپنی پناہ گاہوں میں واپس کردو اور ان پر اسلام پیش کرو۔☆

ان تمام احادیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اسی صورت میں کرتے تھے، جب صلح کی کوئی صورت نہیں رہ جاتی، جنگ سے پہلے اپنے فریق کو شرارت سے باز رہنے اور دینِ حق کی پیروی کے لیے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے، آبادیوں کو ویران کرنا، خوں ریزی اور قتل وقتال آپ کو پسند نہیں تھا، آپ سفیرِ امن اور سلامتی کے داعی تھے، لیکن ناگزیر وجوہات کے سبب متعدد جنگوں میں یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑا۔

۲۔جنگوں میں انسانیت کا احترام اور لطف وکرم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے محسن بن کر اس دنیا میں تشریف لائے، بنی آدم کی کرامت کو ان سے بہتر کون جانتا تھا، جنگ جیسی غیر معمولی صورت حال میں بھی انسانیت کی حُرمت کو پامال نہیں ہونے دیا۔ اسلامی لشکر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اسلامی جنگوں کے نظریہ احترامِ انسانیت کو واضح کرتا ہے، چوں کہ اسلامی جنگوں کا مقصد اِعلاء کلمۃ الحق ہے اس لیے اِعلاء کلمۃ الحق کی راہ میں رکاوٹ بننے والے کافروں کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا، لیکن سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بھی دیا کہ جنگ میں قتل ہونے والے مقتولین کا مثلہ نہ کیا جائے، ان کے ناک کان آنکھ نہ کاٹے جائیں، ان کے چہرے کو مسخ نہ کر دیا جائے، حدیث پاک ہے:

" اغزوا باسم الله ، قاتلوا من کفر ، اغزوا ولا تغلوا ، ولا تمثلوا"☆☆

☆بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث ص:۲۰۱

☆☆ صحیح مسلم: کتاب الجهاد، باب تامیر الامراء علی البعوث ووصیته ایاهم

ترجمہ: اللہ کا نام لے کر جہاد کرو اور اس قوم سے جہاد کرو جو کافر ہے، جہاد کرو اور خیانت نہ کرو، نہ کسی کا مثلہ (ناک کان کاٹو) کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں قتل ہونے والے غیر مسلموں کو چیل کوے اور درندوں کے حوالے نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کی انسانیت کا احترام کرتے ہوئے ان کی لاشوں کو ایک جگہ جمع کرنے اور کسی محفوظ جگہ ڈالنے کا حکم فرماتے تھے، جیسا کہ جنگِ بدر کے موقع پر مقتولین قریش کو ایک کنواں جس کا نام ''بئر جافة'' تھا، میں ڈالنے کا حکم دیا۔

۳۔ عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت:

اسلامی جنگوں میں بے قصوروں کو قتل کرنے کی مکمل ممانعت کر دی گئی، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کے قتل سے سختی کے ساتھ روکا گیا، چوں کہ یہ افراد جنگوں میں عموماً مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچاتے، بعض حالات میں ان کے قتل کی اجازت دی گئی جب کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔

بعض غزوات میں عورتوں کی لاشیں ملیں تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرمایا اور بچوں اور عورتوں کے قتل کی ممانعت فرمائی۔☆

ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے، سرکار نے اپنے لشکر سے ارشاد فرمایا:

''انطلقوا باسم الله وبا الله ، وعلىٰ ملة رسول الله ، ولا تقتلوا شيخا فا نيا ، ولا طفلا ولا صغيرا ولاامرأة''☆☆

ترجمہ: اللہ کا نام لے کر اللہ کے لیے رسول اللہ کے دین پر ثابت قدم ہو کر سفر جہاد پر روانہ ہو جاؤ، کسی بوڑھے کو، کسی بچے، اور کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔

ایک اور لشکر کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

''سيروا باسم الله فى سبيل الله تعالىٰ وقاتلوا اعداء الله ولاتغلوا ولا

☆ صحیح بخاری: کتاب الجهاد، باب قتل الصبيان فى الحرب

☆☆ سنن ابوداؤد: کتاب الجهاد، باب فى دعاء المشركين

تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا''☆

ترجمہ: اللہ کا نام لے کر راہِ خدا میں جہاد کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ، اللہ کے دشمنوں کو تہِ تیغ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی سے دھوکہ نہ کرنا، کسی مقتول کی لاش کا مثلہ نہ کرنا، کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملتی کہ لشکرِ اسلام نے بچوں کو قتل کر دیا تو آپ سخت ناراض ہوتے اور افسوس کا اظہار فرماتے۔ ایک موقع پر آپ کو خبر ملی کہ لشکرِ اسلام نے بعض بچوں کو قتل کر دیا تو آپ فرمانے لگے:

''ما بال اقوام جاوز بهم القتل، حتى قتلواالذرية. الا لا تقتلواالذرية، الا لا تقتلواالذرية.اه''☆☆

ترجمہ: ان قوموں کا کیا حال ہے جو قتل کرنے میں حد سے تجاوز کر گئی ہیں، یہاں تک کہ بچوں کو قتل کر دیا، خبردار بچوں کو قتل نہ کرنا، بچوں کو قتل نہ کرنا۔

ابوداؤد کی روایت ہے، رباح بن ربیع کہتے ہیں:

''كنا مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فى غزوة فراى الناس مجتمعين علىٰ شئى فبعث رجلا فقال انظر علىٰ ما اجتمع هولآء فجاء فقال علىٰ امراة قتيل فقال ما كانت هذه تقاتل وعلى المقدمة خالدابن الوليدفبعث رجلا فقال قل لخالد لا تقتلن امرءة ولاعسيفا''☆☆☆

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے، حضور نے لوگوں کو کسی چیز پر اکٹھا دیکھا تو ایک شخص کو بھیجا تاکہ دیکھے کہ لوگ کیوں جمع ہیں، اس نے آ کر بتایا کہ لوگ ایک مقتول عورت کے گرد جمع ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، یہ تو جنگ نہیں کر رہی تھی، خالد ابن ولید اس لشکر کے امیر تھے حضور نے انہیں ایک شخص کے ذریعہ حکم دیا کہ خالد سے کہہ دو کہ عورت اور کسی مزدور کو قتل نہ کیا جائے۔

☆ خاتم النبیین ج:۲ص:۵۸۵۔☆☆ (سنن بیہقی، ۹/۷۷۔☆☆☆ ابوداؤد، ج:۲ص:۶

غیر مسلموں کے بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی برتاؤ تھا، لیکن بعض جنگوں میں معلوم ہوا کہ بوڑھے اپنی کمزوری اور کبرسنی کے باوجود میدانِ جنگ میں اس لیے پہنچ جاتے ہیں کہ وقتِ ضرورت اپنے مفید مشوروں سے لشکر کو فائدہ پہنچائیں اور مسلمانوں کو جنگی تدابیر اور حیلوں کے ذریعہ شکست دے دیں، ایسے سرکش بوڑھوں کے لیے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کا حکم دیا۔ جنگِ حنین کے موقع پر ایسا ہی ایک شخص درید بن صمہ تھا، وہ ایک سو ساٹھ سال کا کھوسٹ بڈھا تھا، آنکھوں کی روشنی بھی جا چکی تھی، اس کے باوجود جنگ میں صرف اس لیے شریک ہونے آیا تھا تاکہ اپنے جنگی تجربات اور مشوروں سے لشکر کو فائدہ پہنچائے، سرکار نے اسے مسلمانوں کے حق میں سخت ضرر رساں ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا۔☆

بعض غیر مسلم عورتوں نے بھی جنگ میں لشکر کی معاونت اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوشش کی ایسی عورتوں کے سلسلے میں بھی سرکار نے قتل کا حکم صادر فرمایا، جنگِ خیبر کے موقع پر ایک یہودی خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے گوشت میں زہر ملا دیا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرما دیا مگر صحابی کی وفات کے بعد وہ قصاص میں قتل کر دی گئی۔

لیکن عام حالات میں ان افراد کو کسی طرح تکلیف نہیں پہنچائی جاتی تھی، کیوں کہ اسلامی جنگیں کسی دنیاوی مقصد کے پیش نظر نہیں لڑی جاتی تھیں، اور نہ کسی دنیاوی بادشاہ کے حکم پر لڑی جاتی تھیں جنہیں اپنی برتری دکھانے کے لیے کسی بھی زمرے کے افراد کے قتل میں کوئی دریغ نہیں ہوتا، اسلامی جنگیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ اصولوں کی روشنی میں لڑی جاتی تھیں، یہ اصول تکریم انسانیت کی بنیادوں پر قائم تھے، جس کی پیروی اسلامی لشکر کے ہر فرد پر لازم تھی۔

۴۔ غیر مسلموں کے ایمان لانے یا صلح چاہنے پر جنگ بندی کا حکم:

☆المبسوط للسرخسی ۱۰/۹

جیسا کہ ماقبل کی سطور میں بیان کیا گیا کہ اسلامی جنگیں آتشِ انتقام کو بجھانے کے لیے نہیں لڑی گئیں اور نہ کسی قوم کی نسلی برتری کو ثابت کرنے کے لیے، یوں ہی ان سے کوئی مادی یا تجارتی مفاد وابستہ تھا نہ ہی جبراً کسی کو اسلام میں داخل کرنا مقصد، بلکہ اسلامی جنگیں محض ظلم وجبر کے خاتمہ اور حق کی سربلندی کے لیے لڑی گئیں، غیر مسلم اگر اپنے ایمان کا اظہار کر دیں تو ان سے جنگ جاری رکھنے کا کوئی جواز اسلام میں نہیں ہے۔ بعض فقہا نے کہا ہے:

”اما قتل الکفار فلیس بمقصود، حتی لو امکن الهدایة باقامة الدلیل بغیر جهاد، کان اولیٰ من الجهاد“☆

ترجمہ: کفار کا قتل مقصود نہیں ہے، اگر ہدایت دلائل کے ذریعہ بغیر جہاد کے ممکن ہو تو یہ جہاد سے بہتر ہے۔

غیر مسلموں کے اظہارِ ایمان کے بعد ان سے جنگ ختم کر دینے اور ان کو جان ومال کا تحفظ دینے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کرنے کے سلسلے میں قرآن کریم کی یہ آیت پاک خاص طور سے قابلِ ذکر ہے:

”فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ الصَّلاَةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ فَخَلُّواْ سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ“☆☆

ترجمہ: اگر وہ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں، زکات ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ (یعنی انہیں جان ومال کی امان دے دو) بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی نے اگر تقیہ کرتے ہوئے بھی اسلام کا اظہار کر دیا اور کلمہ شہادت پڑھ لیا تو اس کے ساتھ جنگ کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہمیں دلوں کی کیفیات کا علم نہیں یہ تو اللہ ہی کی شان ہے۔

قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ فَتَبَيَّنُواْ وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَى

☆مغنی المحتاج الیٰ معرفة الفاظ المنہاج ۴/۴۱۰۔ ☆☆القرآن الکریم/التوبة ۵

إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِناً تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُواْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً. ☆

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کرلو اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے، تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہتری نعمتیں ہے، پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، تو تم پر تحقیق کرنا لازم ہے، بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (کنز الایمان)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما (ا) نے قبیلہ جہینہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا، حالاں کہ وہ قتل سے پہلے" **لا اله الا الله** " پڑھ چکا تھا، جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو سخت ناراض ہوئے اور حضرت اسامہ بن زید سے فرمایا: کیا اس نے **لا الـــه الا الـلـــه** کہا اور تم نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت اسامہ نے کہا: اس نے تلوار کے خوف سے ایسا کہا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **افلا شققت قلبها حتی تعلم اقالها ام لا؟**

ترجمہ: تم نے اس کا دل کیوں نہیں دیکھ لیا کہ تم کو معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کہا یا نہیں؟

حضرت اسامہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار نے مجھ سے یہ بات اتنی بار کہی کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج اسلام لاتا۔ ☆☆

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین صحابی تھے، اس کے باوجود سرکار نے ان کے اس گمان پر سخت نوٹس لیا اور ناراضگی کا اظہار کیا، حالاں کہ ایسے موقع پر تقیہ کا گمان انسانی فطرت ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مستقبل کے حالات پر تھی، آپ جانتے تھے کہ آج اگر اس طرح ایمان کے سلسلے میں سوء ظن کا دروازہ کھل گیا تو آئندہ طرح طرح کے مفاسد پیدا ہوں گے، لوگ اپنے مفادات کے

☆ القرآن الکریم / النساء ۹۴ ☆☆ صحیح مسلم: **کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا اله الاالله** (ا) وصال ۵۴ھ / ۶۷۴ء

حصول کے لیے کسی کے بھی ایمان کو مشکوک ٹھہرانے لگیں گے، اس لیے بدگمانیوں کے سارے دروازوں کو بند کر کے اظہارِ ایمان پر حکمِ ایمان کی بنیاد رکھی گئی اور احتمالات کی تمام شقوں کو کالعدم قرار دیا گیا۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کافروں میں سے ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس سے میری ملاقات ہو اور مجھ سے لڑتے ہوئے میرے ہاتھ پر تلوار سے وار کر کے اسے کاٹ دے، پھر کسی درخت کی آڑ لے کر کہے: میں اللہ پر ایمان لایا، تو کیا میں اسے اس اقرار کے بعد قتل کر سکتا ہوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے قتل نہ کرنا۔ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے تو میرا ہاتھ کاٹ دیا، پھر اس کے بعد یہ کلمہ کہا ہے تو میں اسے کیسے قتل نہ کروں، آپ نے فرمایا اسے ہرگز قتل نہ کرنا، کیوں کہ اب اگر اسے قتل کرو گے تو ایسا ہی مسلمان ہوگا جیسے تم اسے قتل کرنے سے پہلے تھے، اور تم اسی طرح ہو جاؤ گے جیسے وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔ ☆

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ لا الہ الا اللہ کہہ لینے کے بعد اسی طرح معصوم الدم ہو جائے گا جس طرح اس سے پہلے تم معصوم الدم تھے، اور اس کا قتل حرام ہو جائے گا، اور تم غیر معصوم الدم اور مباح القتل ہو جاؤ گے جس طرح وہ تھا۔ ☆☆

اسلامی جنگوں میں یہ ضابطہ بھی اسلام کی انسانیت نوازی کی دلیل ہے کہ اگر میدان جنگ میں بھی دشمن صلح کرنا چاہے تو مسلمانوں کے لیے اسے قبول کرنا ضروری ہے، خواہ دشمنوں کی نیت دھوکہ دینے ہی کی کیوں نہ ہو۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

" وَإِنْ جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ

☆ صحیح مسلم: **کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا اله الاالله**

☆☆ النووی شرح صحیح مسلم ۲/۱۰۶

الْعَلِيْمُ. وَإِنْ يُّرِيْدُ وْا أَنْ يَّخْدَعُوْکَ فَإِنَّ حَسْبَکَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِیْ أَيَّدَکَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ.''☆

ترجمہ: اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں، اور رب تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، بیشک وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے، اور اگر تجھے دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بے شک تجھے اللہ ہی کافی ہے۔

یہ وہ خاص اصول تھے جو غیر مسلموں سے جنگ کے تعلق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے، ان اصولوں پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عمل پیرا رہے اور آپ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انہیں سینے سے لگائے رکھا۔ ان اصولوں کی بنیاد انسانیت کے احترام پر ہے۔ دنیا کی کوئی قوم جنگوں میں فتح اور کامیابی کے مقابلے میں اصولوں کی پرواہ نہیں کرتی، صلیبی جنگیں اس کی واضح مثال ہیں، لیکن مسلمان ہر زمانے میں ان اصول کے سخت گھیرے میں رہے، کیوں کہ یہ اصول کسی ملک کے بادشاہ یا کسی ریاست کے ڈکٹیٹر حاکم کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ یہ اصول اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ ہیں، ہر مسلمان ان کا پابند ہے۔

☆☆☆☆

☆القرآن الکریم، الانفال ۶۱، ۶۲

عہد نبوی میں
جنگ میں شکست خوردہ غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

اسلامی جنگوں کی تاریخ کا انصاف کی نظر سے مطالعہ کرنے والا کوئی بھی فرد اس حقیقت کے اعتراف میں تأمل نہیں کر سکتا کہ ان جنگوں کا مقصد طاقت و بہادری کا اظہار، مالِ غنیمت کا حصول، اقتدار کی طلب اور اقوامِ عالم پر رعب و دبدبہ قائم کرنا نہیں تھا، اور نہ یہ جنگیں کسی مذہب کے پیروکاروں سے کسی ذاتی انتقام کی خاطر ہوا کرتی تھیں، بلکہ ان جنگوں کا مقصد دین کی تبلیغ و اشاعت کی راہ میں دشواریاں پیدا کرنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر خلقِ خدا کو ہدایت کے راستے پر گامزن کرنا تھا، یہی وجہ ہے کہ اسلامی جنگوں میں ہمیں وہ بے رحمی، دشمن کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دینے کا جنون، آبادیوں کو ویرانوں میں تبدیل کر دینے کے عزائم نظر نہیں آتے، بلکہ حیرت انگیز طور پر دشمنوں کے ساتھ ایک چھپی ہوئی ہمدردی بھی نظر آتی ہے جس کے مظاہر مختلف جنگوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

مختلف اقوام کے درمیان بپا ہونے والی جنگوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فاتح قوم شکست خوردہ فریق کے ساتھ نہایت بے رحمی اور سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے ہر ممکن نقصان پہنچاتی ہے، فاتح قوم کے غیض و غضب کا شعلہ جوالہ اس وقت تک سرد نہیں ہوتا، جب تک مغلوب اور مفتوح قوم کے ایک ایک فرد کو کیفر کردار تک نہ پہنچا دے، اقوامِ عالم کی تاریخ میں اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں، مسلم حکومتیں جب خانہ جنگیوں کا شکار ہو کر کمزور ہو گئیں تو غرناطہ، اسپین اور بغداد میں شکست خوردہ مسلمانوں کے ساتھ فاتح قوموں نے جو سلوک روا رکھا اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ لیکن اسلامی جنگوں میں شکست خوردہ فریق کے ساتھ مسلم فاتحین کے رحم و کرم کے مظاہرے، عفو و درگزر کی بارشیں، نرمی و خوش خوئی کی داستانوں کی طرف بھی نگاہ اٹھا کر دیکھیے اور اندازہ لگائیے کہ دنیا کی کون سی قوم اپنے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شکست خوردہ قوم مکمل طور فاتح

قوم کے رحم وکرم پر ہوتی ہے ان کے ساتھ اچھے یا بُرے برتاؤ کا پورا اختیار فاتح قوم کو ہوتا ہے لیکن ایسے میں عفوودرگزر کا معاملہ صرف اسلام کی تاریخ میں نظر آتا ہے۔

یہ فتح مکہ کا دن ہے، کفارِ قریش ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے سخت ترین دشمن ایک مغلوب اور مفتوح قوم کی حیثیت سے بے دست و پا کھڑے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صحابہ کرام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، گھر سے بے گھر کیا، ہجرت پر مجبور کیا، مکر وفریب کی ساری حدیں پار کردیں، نبی آخر الزماں کی جان کے پیچھے پڑ گئے، قتل کا منصوبہ بنایا، کعبہ کے طواف سے روکا، عمرہ کی نیت سے آنے والے عاشقوں کے ہجوم کو راستے سے واپس لوٹنے پر مجبور کردیا اور نہ جانے کون کون سے جرائم کیے، آج وہی لوگ ایک مغلوب قوم کی حیثیت سے سرکار دو جہاں کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہیں، پورا عرب تماشائی ہے، دنیا سمجھ رہی ہے، مشرکینِ مکہ کو آج اپنے پاپوں کی سزا ملے گی، آج مکہ کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہیں گی، گن گن کر جرموں کی سزا دی جائے گی اور اس قوم کو ہمیشہ کے لیے نیست ونابود کردیا جائے گا، لیکن فاتح قوم دنیا کی طلب گار اور انتقام کے جذبات سے سرشار نہیں تھی، اس قوم کی قیادت دنیا کی سب سے عظیم ترین شخصیت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں تھی، مکہ کی خاموش فضاؤں میں ایک آواز گونجتی ہے: **ما تظنون انی فاعل بکم** ، اپنے ساتھ کیسے برتاؤ کی امید رکھتے ہو۔ رحم وکرم کے امیدوار کفارِ قریش پکار اٹھتے ہیں: **اخ کریم وابن اخ کریم** ۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شانِ رحمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کریمانہ انداز میں ارشاد فرمایا؛ **اقول لکم ما قالہ اخی یوسف ، لا تثریب علیکم الیوم ، یغفر اللہ لکم . وھو ارحم الراحمین ، اذھبوا فا نتم الطلقاء“**

ترجمہ: میں تم سے وہی کہتا ہوں جو بھائی یوسف (علیہ السلام) نے کہا، تم پر آج کوئی الزام نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، جاؤ تم آزاد ہو۔

فتح مکہ کے دن سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا جو انصار کے سردار تھے، حضرت سعد نے ابوسفیان سے کہا:

” یا ابا سفیان الیوم یوم الملحمه ، الیوم تستحل المحرمة، الیوم اذل الله قریشا“

اے ابوسفیان آج کا دن قتلِ عام کا دن ہے، آج کعبہ کی حُرمت بھی حلال ہو جائے گی، آج قریش کی ذلت کا دن ہے، حضرت ابوسفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہنے لگے:

” یا عباس! حبذا یوم الذمار“ اے عباس! تباہی کا دن خوب آیا

جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) کی گفتگو کا علم ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

”کذب سعد ولکن ھذا یوم یعظم الله فیه الکعبة ویوم تکسی فیه الکعبة“

ترجمہ: سعد نے غلط کہا ہے، آج تو اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت عطا فرمائے گا، آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔

تاریخ دمشق کی روایت میں ہے، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” لا الیوم یوم المرحمة ، الیوم اعز الله فیه قریشا“ نہیں (آج قتل عام کا دن نہیں بلکہ) رحم وکرم کا دن ہے، آج کے دن اللہ تعالیٰ نے قریش کی عزت بڑھائی ہے۔☆

کیا انسانی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ برسوں کی ستائی ہوئی جماعت جنہیں حد درجہ ظلم وستم اور بے پناہ زیادتیوں کی وجہ سے اپنے وطن کو خیر باد کہنا پڑا ہو، اور پھر طویل عداوت اور پیہم جدوجہد کے بعد اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوا ہو، اس کے باوجود رحم وکرم کا ایسا حیرت انگیز برتاؤ کیا جائے، شاید تاریخِ انسانیت ہمارے اس سوال پر خاموش نظر آئے گی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے شدید ترین دشمنوں کے ساتھ انتقام پر کامل قدرت کے باوجود لطف وکرم کا برتاؤ اس بات کو واضح کرتا ہے اسلام امن وسلامتی کا دین ہے، آپ پوری انسانیت کے لیے

☆ تاریخ دمشق ۲۳/۴۵۲، صحیح بخاری: کتاب المغازی ، باب این رکز النبی صلی الله علیه وسلم الرایة یوم الفتح

(۱) وصال ۱۳ھ/۶۳۵ء

نبی رحمت ہیں، اسلامی جہاد کا مقصد غلبہ وقوت حاصل کرنا نہیں بلکہ اللہ کے بندوں کا رشتہ معبود حقیقی سے جوڑنا ہے۔

شکست خوردہ قوم کے ساتھ ہمدردی ورحم وکرم کی یہ داستان بھی ملاحظہ فرمالیں:

جنگ حنین کا موقع ہے، مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہو چکی ہے، وافر مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوا ہے، جنگ کے اختتام پر سارا مال غنیمت ایک جگہ جمع کیا گیا ہے، مال غنیمت کی تقسیم نہیں ہو رہی ہے، شکست خوردہ لوگوں کا انتظار کیا جارہا ہے کہ شاید انہیں ہدایت نصیب ہو جائے اور وہ اللہ کی بارگاہ میں اپنے آپ کو پیش کردیں تو انہیں ان کے اموال واسباب لوٹا دیے جائیں، جنگ ختم ہوئے دس دن گزر چکے ہیں لیکن ان کا انتظار اب بھی کیا جارہا ہے، اس طویل انتظار کے بعد بھی جب کوئی نہیں آیا تو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق مالِ غنیمت تقسیم فرمادیا، تقسیم کا عمل اپنے اختتام کو پہنچ جانے کے بعد دشمنوں کے کئی گروہ اپنے اسلام کا اعلان کرتے ہوئے سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قیدی اور مال کو طلب کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **احب الحدیث الي اصدقه ، فاختاروا احد الطائفتين ، اما السبى او اما المال وقد كنت استا نيت بهم** ”سچی بات مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، تم دو میں سے ایک چیز اختیار کرلو، قیدی یا مال میں نے تو تمہاری وجہ سے تقسیم میں تاخیر کی تھی۔ جب انہیں معلوم ہو گیا کہ ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کرنا ہوگا، تو انہوں نے سرکار کی بارگاہ میں عرض کیا: **انا نختار سبينا**“ ہم اپنے قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں، ان کے اس فیصلے کے بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد وثنا کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا:

”اما بعد ! فان اخوانكم هولآء قد جاؤ ناتائبين ، وانى قد رأيت أن ارد اليهم سبيهم ، فمن احب منكم ان يطيب بذلك فليفعل، ومن احب منكم ان يكون علىٰ حظه حتىٰ نعطيه اياه من اول مايفى الله علينا فليفعل“

ترجمہ: امابعد! تمہارے بھائی ہمارے پاس تائب ہو کر آئے ہیں، میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی انہیں واپس دے دوں، پس تم میں سے جو کوئی اپنے حصے کے قیدی کو دینا چاہے وہ چھوڑ دے اور جو تم میں سے اپنے حصے کی قیمت لینا چاہے تو اللہ تعالیٰ نئے مال سے ہمیں جو سب سے پہلے عطا فرمائے گا اس میں سے اسے دے دیا جائے گا۔

جب صحابہ کرام نے سرکار کا یہ خطبہ سنا تو سبھی یک زبان ہو کر پکار اٹھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم برضا ورغبت چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وہ اعلیٰ کردار تھا جس نے عرب کے دلوں کو جیت لیا اور اسلام کی محبت ان کے دلوں میں نقش کالحجر ہو گئی، پھر وہ نہ صرف یہ کہ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر بیعت کر کے اپنے آپ کو دامن اسلام سے وابستہ کرلیا بلکہ پوری دنیا میں پرچم اسلام بلند کرنے کے لیے شجاعت و بہادری اور ایثار واخلاص کے وہ نمونے پیش کیے جنہیں دنیا دیدۂ حیرت سے دیکھتی رہی، ان تمام واقعات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اسلامی جنگیں ”جنگ برائے جنگ“ کے اصول پر نہیں ہوتی تھیں اور نہ ہی کسی دنیاوی مقصد کے حصول کے لیے صحابہ کرام ان جنگوں میں شرکت فرمایا کرتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو تقسیم شدہ مالِ غنیمت کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اک اشارہ ابرو پر برضا ورغبت واپس کرنے کے لیے تیار نہیں ہوجاتے، اور نہ ہی سرکار مالِ غنیمت کی تقسیم میں اتنی تاخیر فرماتے۔

جنگ خیبر کے موقع پر مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے ساتھ ساتھ توریت کے چند نسخے بھی ہاتھ آئے، یہودی سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان نسخوں کو طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ یہودیوں کو توریت کے نسخے واپس کر دیے جائیں۔☆☆

☆☆☆

☆ صحیح بخاری: كتاب المغازى ، باب غزوة الحنين

☆☆ مغازی الواقدی ۶۸۱/۲

عہد نبوی میں منافقین کے ساتھ برتاؤ

نفاق: انسان کا ایسی بات کا اظہار کرنا جو اس کے دل میں نہ ہو۔
منافق: جس کی ظاہری حالت ایمان کی ہو اور باطن کے اعتبار سے کفر پر۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:
"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ"☆
ترجمہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے حالاں کہ وہ مومن نہیں ہیں۔

منافقین عرب اور اطراف کے وہ باشندے تھے، جن کو بصارت و بصیرت دونوں سے اللہ نے محروم کر دیا تھا، جو دل میں کفر کو چھپاتے تھے اور لوگوں کے سامنے ایمان کا اظہار کیا کرتے تھے۔ منافقین ایسا اس لیے کرتے تھے کہ بظاہر ایمان کا اظہار کر کے مسلمانوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیں اور باطنی کفر کے ذریعہ کفار کو خوش کر کے سماجی و معاشرتی مراعات بھی حاصل کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
"وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيْمٍ"☆☆

ترجمہ: اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں، اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق، تم انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں، جلد ہم انہیں دو بار عذاب کریں گے پھر بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔ (کنز الایمان)

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اسلام کے دشمنوں میں سب سے زیادہ ضرر رساں منافقین ہی تھے، جو مسلمانوں کی صف میں داخل ہو کر ان کے سارے راز جان لیتے اور انہیں دشمنوں

☆القرآن الکریم/البقرۃ ۸ ☆☆القرآن الکریم/التوبۃ ۱۰۱

کے درمیان پھیلا دیتے، متعدد موقعوں پر مسلمانوں کے راز افشاں ہو جانے کی وجہ سے بڑا نقصان پہنچا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد ہی سے منافقین کی جماعت پیدا ہو گئی، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قربِ وفات تک منافقین موجود رہے۔ دراصل مسلمان جب تک مکہ میں رہے تعداد تھوڑی رہی، جمعیت اور قوت کے اعتبار سے کمزور رہے، ان کا کوئی ایسا رعب و دبدبہ نہ تھا جس سے کفارِ قریش خوف محسوس کرتے۔ جب کہ کفارِ قریش ہر اعتبار سے ان پر حاوی تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے خلاف کھل کر باتیں کرتے، اعلانیہ انہیں بُرا بھلا کہتے، مسلمانوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے انہیں شدید اذیت پہنچاتے، ان کی مسلسل اذیتوں سے مجبور ہو کر صحابہ کرام کی ایک جماعت پہلے حبشہ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئی، بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد حالات یکسر بدل گئے، اسلام کی روشنی عرب کی صحراؤں میں تیزی سے پھیلنے لگی، انصار و مہاجرین کے باہمی اتحاد و اتفاق کے سبب ان کی قوت میں بھی اضافہ ہو گیا، یہاں تک کہ وہ اوس و خزرج پر بھاری ہو گئے، اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہوئی تو عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اوس و خزرج بھی اسلام کے دامن سے وابستہ ہو کر انصار و مہاجرین کا ہم نوا ہو گیا، اسلام کا سیلِ رواں رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا، دن بہ دن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، لیکن ایک گروہ ایسا بھی تھا جس کی نظروں میں اسلام کی روز افزوں ترقی کھٹک رہی تھی، انہیں اپنا اقتدار زیرو زبر ہوتا نظر آ رہا تھا، وہ سب کچھ جان کر بھی ایمان لانے سے کتراتا رہا، مسلمانوں کی پھیلتی تعداد اور بڑھتی قوت نے ان کے دل میں خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا، وہ مسلمانوں کے خلاف اعلانیہ زہر افشانی نہیں کر سکتے تھے، اور نہ ہی ان میں اتنی ہمت تھی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کریں، اس گروہ نے ایک تیسری صورت یہ نکالی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے بظاہر اسلام میں داخل ہو کر اپنے آپ کو ان سے محفوظ کر لیا

جائے اور در پردہ ان کے راز کافروں تک پہنچا کر انہیں زیر کیا جائے۔ یہ منافقین تھے منافقین اپنے اس منصوبے کے مطابق لوگوں کو اسلام سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے، لوگوں میں اسلام کے تعلق سے بدگمانیاں پھیلاتے، جہاد کا اعلان ہوتا تو لوگوں کو ڈراتے، جان ومال کا خوف دلاتے اور ہر اس کام میں دل چسپی لیتے جو اسلام کے لیے ضرر رساں ہوتا۔ ذیل میں ہم منافقین کے چند اوصاف ذکر کرتے ہیں تاکہ منافقین کا اصلی چہرہ سامنے آجائے اور اسی کی روشنی میں گفتگو آگے بڑھائی جائے۔

۱۔ منافقین صدقات کی تقسیم کے سلسلے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر طعن کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں منافقین کی اسی خباثت کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:

”وَمِنْهُم مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ.“☆

ترجمہ: اور ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے، تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو جائیں، اور نہ ملے جبھی تو وہ ناراض ہیں۔

خزائن العرفان میں ہے:

یہ آیت پاک ذو الخُوَیْصَرہ تمیمی کے سلسلے میں نازل ہوئی، اس کا نام حُرقُوس بن زُهیر ہے، اور یہی خوارج کی اصل و بنیاد ہے، بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے تو ذُو الخُوَیْصَرہ نے کہا: یارسول اللہ! عدل کیجیے، حضور نے فرمایا: تجھے خرابی ہو میں نہ عدل کروں گا تو عدل کون کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن ماردوں، حضور نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اس کے اور بھی ہمراہی ہیں، کہ تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر دیکھو گے، وہ قرآن پڑھیں گے، اور ان کے گلوں سے نہ اترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار سے۔

☆القرآن الکریم/التوبۃ ۵۸

۲۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف طریقوں سے ایذا پہنچایا کرتے تھے، اکثر جھوٹی قسم کھایا کرتے تھے، ان کی مذمت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی ایک پوری سورت (سورۃ المنافقون) نازل فرمائی اور ان کی سخت مذمت فرمائی۔

۳۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ فریب اور دھوکہ کیا کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی فریب کاریوں کا پردہ فاش کردیا، ارشاد فرمایا:

”الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْا أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً“☆

ترجمہ: وہ جو تمہاری حالت تکا کرتے ہیں، تو اگر اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے تو کہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، (یعنی مال غنیمت میں شرکت کے مستحق ہم بھی ہیں) اور اگر کافروں کا حصہ ہو تو ان سے کہیں، کیا ہمیں تم پر قابو نہ تھا، (یعنی ہم تمہیں قتل اور گرفتار کرسکتے تھے لیکن یہ سب نہیں کیا) اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا، تو اللہ تم سب میں قیامت کے دن فیصلہ فرمادے گا، اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔

۴۔ منافقین کا ایک قبیح وصف یہ بھی تھا کہ وہ نقض عہد کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ. فَلَمَّا آتَاهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ، فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقاً فِيْ قُلُوْبِهِمْ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ“. ☆☆

ترجمہ: اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے۔ تو جب اللہ

☆القرآن الکریم/النساء ۱۴۱ ☆☆القرآن الکریم/التوبۃ ۷۵۔۷۷

تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا اس میں بخل کرنے لگے، اور منہ پھیر کر پلٹ گئے تو اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا، اس دن تک کہ اسے ملے بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ کا وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے۔

۵ منافقین کو اپنی بد باطنی کا خوب علم تھا وہ اپنے نفاق کو جانتے تھے، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اسلام دینِ حق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں، وہ اپنی کارستانیوں کی وجہ سے خوف کھاتے تھے کہیں ہماری فریب کاریوں کا پردہ فاش کرنے کے لیے کوئی سورت نہ نازل ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس کیفیت کا بیان قرآن پاک میں فرمایا، ارشاد باری ہے:

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوا إِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ''☆

ترجمہ: منافق ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی سورت اترے جو ان کے دلوں کی چھپی جتا دے، تم فرماؤ ہنسے جاؤ اللہ کو ضرور ظاہر کرنا ہے جس کا تمہیں ڈر ہے۔

درج بالا سطور میں ہم نے مدینہ منورہ میں منافقین کی جماعت پیدا ہونے کے اسباب اور ان کی شناعتوں کو بیان کرنے کی کوشش کی، جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ گروہ منافقین نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع نہیں گنوایا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف پسِ پردہ قسم قسم کی گھنونی سازشیں کرتے رہے اب ہم ذیل کی سطور میں احادیث نبویہ کی روشنی میں واضح کریں گے منافقین کی ان تمام ہرزہ سرائیوں کے باوجود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کس طرح پردہ پوشی فرمائی، سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی ان کے ظاہری ایمان کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے ساتھ مسلمانوں سا برتاؤ کرتے رہے، کیوں کہ آپ پوری دنیائے انسا نیت کے لیے رحمت بن کے تشریف لائے تھے، آپ کی تمنا تھی کہ یہ گروہ توبہ کر کے نفاق کی گندگیوں سے نکل کر دامن اسلام سے وابستہ ہو جائے، اسی لیے آپ ان کی ہدایت کے لیے مسلسل سعی فرماتے رہے۔

☆القرآن الکریم ر التوبۃ:۶۴

منافقین کی حرکتوں اور ان کی اسلام مخالف سرگرمیوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی واقف تھے، لیکن بعض مصالح کی بنیاد پر آپ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتے تھے، ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا، کفار و مشرکین کی دشمنی عروج پر تھی، وہ اسلام میں داخل ہونے والے افراد کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمانی پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے، منافقین کا شمار ان کے ظاہری ایمان کی وجہ سے مسلمانوں ہی میں ہوتا تھا، ایسے حالات میں اگر ان کے خلاف کارروائی کی جاتی یا ان کے قتل کا حکم دیا جاتا تو اسلام میں داخل ہونے والے افراد کو اسلام کے خلاف برگشتہ کرنے کے لیے کفار و مشرکین کو ایک اہم ایشو (isue) مل جاتا کہ دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی اصحاب کے ساتھ قتل و غارت گری پر آمادہ ہیں۔ اس حکمتِ غامضہ کی بنیاد پر متعدد موقعوں پر سرکار نے صحابہ کو ان سے تعرض کرنے سے منع فرمایا اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کی ہے کہ ایک شخص سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہو کر پست آواز میں باتیں کرنے لگا، راوی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آرہی تھیں، پھر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے گفتگو فرمانے لگے تو معلوم ہوا کہ وہ شخص کسی منافق کو قتل کرنے کی اجازت مانگ رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا وہ **لا الہ الا اللہ** اور **محمد رسو ل اللہ** کی گواہی نہیں دیتا؟ اس شخص نے کہا کیوں نہیں، لیکن اس کی شہادت شہادت ہی نہیں ہے، سرکار نے فرمایا: کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ اس شخص نے کہا کیوں نہیں، لیکن اس کی نماز نماز ہی نہیں ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں مجھے روکا گیا ہے۔☆

رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے جنگ اُحد کے موقع پر صریح غداری کی اور عین موقع پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدانِ جنگ سے الٹے قدم واپس لوٹ گیا، جس نازک گھڑی میں اس نے یہ حرکت کی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قریش تین ہزار کا

☆سنن الکبریٰ للبیہقی ۱۹۶/۸

لشکر لے کر مسلمانوں پر حملہ کے لیے آئے تھے اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک ہزار افراد کو ساتھ لے کر مدافعت کے لیے نکلے تھے، ان میں تین سو آدمیوں کو منافقین اپنے ساتھ توڑ لائے تھے۔

عبداللہ بن ابی اور ان کے ساتھیوں کی اس کرتوت کی وجہ سے ان کی منافقت بہت حد تک واضح ہو گئی تھی، بلکہ عام صحابہ کرام کو بھی ان کی اس روش کے سبب ان سے نفرت ہو گئی تھی یہی وجہ ہے کہ جنگ احد کے بعد جب پہلا جمعہ آیا تو حسبِ معمول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے سے پہلے یہ شخص تقریر کرنے کے لیے اٹھا تو لوگوں نے اس کا دامن کھینچ کر کہا، بیٹھ جاؤ، تم یہ باتیں کرنے کے لائق نہیں ہو، اس پر وہ برہم ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتا مسجد کے باہر نکل گیا، دروازے پر انصار کے بعض افراد نے ان سے کہا یہ کیا حرکت کر رہے ہو؟ واپس جاؤ، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کراؤ، اس پر اس نے کہا کہ میں استغفار نہیں کرانا چاہتا۔☆

عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی پردہ دری ہو جانے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو درگزر فرماتے رہے یہ برتاؤ بعض مصالح کے ساتھ ساتھ آپ کی حد درجہ نرم دلی کی وجہ سے بھی تھا، ورنہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان منافقین کو کیفر کردار تک پہنچانا کوئی مشکل امر نہیں تھا۔

غزوہ بنی المصطلق سے واپسی میں لشکر اسلام اس گاؤں میں ٹھہرا ہوا تھا جو مریسیع نامی کنویں پر آباد تھا، اسی درمیان پانی کے سلسلے میں دو شخصوں کا جھگڑا ہو گیا، ان میں سے ایک کا نام **جہجاہ** بن مسعود غفاری تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ملازم تھے اور ان کا گھوڑا سنبھالنے کی خدمت انجام دیتے تھے، دوسرے صاحب سنان بن دبر **الجھنی** تھے، جن کا قبیلہ قبیلہ خزرج کا حلیف تھا، نوبت زبانی ترش کلامی سے گزر کر ہاتھا پائی تک پہنچ گئی اور **جہجاہ** نے سنان کو ایک لات رسید کر دی جسے انصار سخت توہین و تذلیل سمجھتے تھے، اس پر سنان نے انصار کو مدد کے لیے پکارا اور **جہجاہ** نے مہاجرین کو آواز دی، عبداللہ بن ابی منافق کو جب

☆سیرت ابن ہشام ج۳،ص:۱۱۱

اس جھگڑے کی خبر ہوئی تو اس نے اوس و خزرج کو بھڑکانا شروع کیا اور چیخنے لگا کہ دوڑو اور اپنے حلیف کی مدد کرو، ادھر سے کچھ مہاجرین بھی نکل آئے قریب تھا کہ بات بڑھ جاتی، اور انصار و مہاجرین آپس میں لڑ پڑتے، لیکن یہ شور سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل آئے اور فرمایا:

''یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ تم لوگ کہاں اور یہ جاہلیت کی پکار کہاں؟ اسے چھوڑ دو یہ بڑی گندی چیز ہے''

اس پر دونوں طرف کے بااثر لوگوں نے مل کر معاملہ رفع دفع کر دیا اور سنان نے **جہجاہ** کو معاف کر کے صلح کر لی۔

اس کے بعد دل میں نفاق رکھنے والے تمام افراد عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچ کر اسے غیرت دلانے لگے، ابن ابی پہلے ہی سے کھول رہا تھا، اب اور بھڑک اٹھا اور کہنے لگا۔

''یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے، تم نے ان کو اپنے دیار میں جگہ دی، ان پر اپنے مال تقسیم کیے، یہاں تک کہ اب یہ پھل پھول کر خود ہمارے ہی حریف بن گئے، ہماری اور ان (اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی حالت پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرتا کہ تجھی کو پھاڑ کھائے، تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو تو یہ چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔ خدا کی قسم مدینہ پہنچ کر ہم میں جو عزت والا ہے ذلیل کو نکال دے گا' **لیخرجن الاعز منها الاذل** ''

مجلس میں اتفاق سے حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ(۱) بھی موجود تھے، جو اس وقت ایک نوعمر لڑکے تھے، یہ باتیں سن کر اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا، اور ان کے چچا نے جو انصار کے رئیسوں میں تھے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو بلا کر دریافت فرمایا تو انہوں نے جو کچھ سنا تھا من و عن بتا دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تم ابن عربی سے ناراض ہو، ممکن ہے تم سے سننے میں غلطی ہو گئی ہو، ممکن ہے کہ تمہیں شبہہ پیدا ہو گیا ہو کہ ابن ابی یہ کہہ رہا ہے۔ حضرت زید نے عرض کیا

(۱) وصال ۶۸ھ / ۶۸۷ء

:نہیں حضور! خدا کی قسم میں نے اس کو یہ باتیں کہتے ہوئے سنا ہے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کو بلا کر پوچھا تو وہ صاف مکر گیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ باتیں ہرگز نہیں کہیں، انصار نے بھی کہا حضور! لڑکے کی بات ہے، شاید اسے وہم ہو گیا ہے یہ ہمارا شیخ اور بزرگ ہے اس کے مقابلے میں اس لڑکے کی بات کا اعتبار نہ فرمایئے، قبیلے کے معمر افراد نے بھی زید کو ملامت کی اور حضرت زید رنجیدہ ہو کر خاموش رہے، مگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم زید کو بھی جانتے تھے اور عبداللہ بن ابی کو بھی اس لیے آپ سمجھ گئے کہ اصل بات کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا:

”مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں، اگر مجھے اجازت دینا مناسب نہیں خیال فرماتے تو خود انصار ہی میں سے معاذ بن جبل یا عباد بن بشر، یا سعد بن معاذ یا محمد بن مسلمہ کو حکم دیجیے کہ وہ اس کو قتل کر دیں“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” دعه، لایتحد ث الناس ان محمدایقتل اصحابه“☆

ترجمہ: ایسا نہ کرو، لوگ کہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فوج کو فوراً ہی کوچ کا حکم دے دیا، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول کے لحاظ سے یہ کوچ کا وقت نہ تھا، مسلسل تیس گھنٹے چلتے رہے، یہاں تک کہ لوگ تھک کر چور ہو گئے پھر آپ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور تھکے ہوئے لوگ زمین پر کمر لگاتے ہی سو گئے، ایسا آپ نے اس لیے کیا کہ مریسیع کے کنوئیں میں جو کچھ پیش آیا اس کے اثرات لوگوں کے ذہن سے محو ہو جائیں، راستے میں انصار کے ایک سردار حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ آپ سے ملے اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج آپ نے ایسے وقت کوچ کا حکم دیا

☆ صحیح مسلم: کتاب البر والصلة، باب نصر الاظالما او مظلوما

جو سفر کے لیے موزوں نہ تھا، آپ کبھی ایسے وقت میں سفر کا آغاز نہیں فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سنا نہیں تمہارے فلاں صاحب نے کیا گل کھلایا ہے، انہوں نے پوچھا کون؟ سرکار نے ارشاد فرمایا: عبداللہ بن ابی، انہوں نے پوچھا اس نے کیا کہا؟ سرکار نے ارشاد فرمایا کہ اس نے کہا ہے کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم عزت والے تو آپ ہیں اور ذلیل وہ ہے، آپ جب چاہیں اسے نکال سکتے ہیں۔

رفتہ رفتہ یہ بات تمام انصار میں پھیل گئی اور ان میں ابن ابی کے خلاف سخت غصہ پھیل گیا، لوگوں نے ابن ابی سے کہا کہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگو، مگر وہ بڑے رعب بھرے انداز میں بولا: تم نے کہا کہ اِن پر ایمان لاؤ، میں ایمان لے آیا، تم نے کہا کہ اپنے مال کی زکات دو، میں نے زکات بھی دے دی، اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سجدہ کروں، ان باتوں سے مومنین وانصار میں ان کے خلاف مزید نفرت بھڑک اٹھی، جب یہ قافلہ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگا تو ابن ابی کا بیٹا تلوار سونت کر باپ کے آگے کھڑا ہو گیا اور بولا: آپ نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلیل کو نکال دے گا، اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت آپ کی ہے یا اللہ اور اس کے رسول کی۔ خدا کی قسم آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اجازت نہ دے دیں، اس پر ابن ابی چیخ اٹھا اور کہا خزرج کے لوگو ذرا دیکھو میرا بیٹا ہی مجھے مدینے میں داخل ہونے سے روک رہا ہے، لوگوں نے یہ خبر سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی، آپ نے فرمایا: عبداللہ سے کہو کہ اپنے باپ کو گھر آنے دو، انہوں نے کہا کہ اگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو آپ گھر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا، کیوں عمر اب تمہارا کیا خیال ہے؟ جس وقت تم نے مجھ سے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی تھی اگر اس وقت تم اسے قتل کر دیتے تو بہت ساری ناکیں پھڑکنے لگتیں، آج اگر میں اس کے قتل کا حکم دوں تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: خدا کی قسم اب مجھے معلوم ہو گیا ہے

کہ اللہ کے رسول کی بات میری بات سے زیادہ مبنی بر حکمت تھی۔

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ ابن ابی نے جو طرزِ عمل اختیار کیا اگر کوئی شخص اسلام میں رہتے ہوئے اس طرح کا رویہ اختیار کرتا تو وہ قتل کا مستحق قرار پاتا اور اسے قتل کر دیا جاتا، لیکن عبداللہ ابن ابی کے ساتھ ایسا نہیں کیا گیا، اسے سدھرنے کے سارے مواقع دیے گئے، اشاروں کنایوں میں ان کی خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں علم ہونے کا اظہار بھی کیا گیا لیکن اس بد بخت نے ان چیزوں کو مسلمانوں کی مجبوری پر محمول کرتے ہوئے درسِ عبرت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ☆

رفتہ رفتہ منافقین کا اصلی چہرہ سامنے آتا گیا، ان کی حرکتیں کھلتی گئیں اور اب وقت آگیا تھا کہ ان منافقین کی نشان دہی کر کے ان کی نقاب کشائی کی جائے۔ ایک روز مسجد نبوی شریف میں صحابہ کرام جمع تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مقدس محفل میں موجود تھے، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ منافقین مسجد میں آپس میں کھسر پھسر کر رہے ہیں، اور ایک دوسرے کے قریب ہو کر بیٹھے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کو کان پکڑ کر دھکے دے کر مسجد سے باہر نکال دیا جائے، چنانچہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کے منافق عمر بن قیس کو گھسیٹتے ہوئے مسجد کے باہر کر دیا، وہ ملعون کہہ رہا تھا: اے ایوب! کیا تم مجھے بنی ثعلبہ کے مربد (جانوروں کے باندھنے کی جگہ) سے نکال رہے ہو، یہ شخص عہدِ جاہلیت میں بنی نجار کے بتوں کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا، اس کو باہر کرنے کے بعد حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ ایک دوسرے منافق رافع بن ربیعہ نجاری کی طرف متوجہ ہوئے، یہ بھی ان ہی کے قبیلہ کا شخص تھا، اس کو چادر سے گھسیٹا، طمانچے مارے اور مسجد سے باہر کر دیا، آپ ان سے کہہ رہے تھے: "اُفّ لَکَ مُنَافِقًا خَبِیْثًا" اے خبیث منافق تجھ پر ہلاکت ہو۔

صحابی رسول حضرت عمارہ بن حزم، زید بن عمرو منافق کی طرف بڑھے، اس منافق کی داڑھی بڑی لمبی تھی، عمارہ نے ان کی داڑھی پکڑ لی اور اس کو پکڑ کر مسجد سے باہر لے گئے

☆ سیرت ابن ہشام ج ۳، ص ۱۱۱

، اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی سے اس کے سینے میں دھکا دیا وہ منھ کے بل گر پڑا، وہ کہہ رہا تھا۔ اے عمارہ! تو نے مجھے زخمی کر دیا۔ حضرت عمارہ نے فرمایا:

" ابعدک اللہ یا منافق فما اعد اللہ لک من العذاب اشد من ذلک ولا تقربن مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . ☆

اے منافق اللہ تجھے ہلاک کرے، جو عذاب اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے تیار کر رکھا ہے وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے، خبردار آج کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے قریب بھی نہ آنا۔

ایک اور صحابی ابومحمد مسعود بن رضی اللہ عنہ (۱) جو بدری صحابی تھے، وہ قیس بن عمرو بن سہل منافق کی طرف بڑھے، یہ شخص جوان تھا اور منافقوں میں جوان یہی شخص تھا، باقی سارے منافق بوڑھے تھے آپ نے اسے ڈھکیلتے ہوئے مسجد سے باہر نکال دیا۔

منافقین میں حارث بن عمر بھی تھا، اس کے سر پر بڑے بڑے بال تھے، خدرہ کے ایک مسلمان نے اس کے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مسجد سے نکال دیا، حارث نے کہا تم نے مجھ پر بڑی سختی کی، اس مسلمان نے جواب دیا، اے اللہ کے دشمن! تم اسی کے مستحق تھے، تو پلید ہے آج کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے قریب نہ آنا۔ اس طرح منافقین کو بڑی رسوائی کے ساتھ مسجد سے نکالا گیا۔ یہ ان کے کرتوتوں کی سزا تھی، انہیں کیفر کردار تک پہنچانے سے پہلے ہر طرح سے سدھرنے کا موقع دیا گیا، لیکن ان ازلی بدبختوں نے ہر موقع گنوا دیا اور اللہ کی لعنتوں کے سزاوار ٹھہرے۔

☆☆☆

☆ سیرت ابن ہشام ۱/۵۲۸ (۱) راجح قول کے مطابق عہدِ خلافت فاروقی میں آپ کا وصال ہوا۔

عہدِ نبوی میں
غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ معاشرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے تشریف لائے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار اوصافِ حمیدہ اور کمالاتِ جمیلہ سے متصف کر کے مبعوث فرمایا تھا، آپ ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل چاہتے تھے جو اخوت ومحبت، امانت ودیانت، خلوص وایثار اور خیر اندیشی وخیر خواہی کی بنیادوں پر قائم ہو، جس معاشرے کا ہر فرد بغض وکینہ، حسد وعناد، بد اندیشی وبدکاری، حق تلفی واذیت رسانی، جور وستم وغیرہ اوصافِ خسیسہ سے پاک ہو۔ آپ نے ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے حسنِ معاشرت کے اصول بھی بتائے اور ان پر عمل درآمد کر کے بھی دکھایا۔ آپ کی معاشرتی تعلیمات سے اپنے بھی مستفید ہوئے اور غیر بھی۔ آپ کے حسنِ اخلاق کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ آپ نے عفو ودرگزر، خیر خواہی، مہمان نوازی میں مثال تو قائم کیا ہی، آپ کے عہد کے غیر مسلم بھی آپ کے فیضانِ کرم سے محروم نہیں رہے، آپ کے چشمہ رحمت کے آبِ زلال نے انہیں بھی سیراب کیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اخلاقِ نبوی کا فیضان عہدِ نبوی کے غیر مسلموں پر کس طرح جھوم جھوم کر برس رہا ہے۔

عفو ودرگزر:

حضرت جعدہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز دیکھا، ایک شخص کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا، اور بتایا گیا کہ اِس شخص نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

" لن تراع، لن تراع" ہرگز خوف نہ کھاؤ، ہرگز خوف نہ کھاؤ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اگر تو یہ ارادہ کرتا، تب بھی اللہ تعالیٰ تجھ کو مسلط نہ کرتا۔☆

قتل کا منصوبہ بنانے والے اس خطرناک مجرم کے ساتھ عفو ودرگزر کی یہ شان یقیناً حیرت انگیز ہے۔

☆سبل الہدیٰ والرشاد، ج: ۷، ص: ۳۴،۳۳

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ پر اُحد کے دن سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے تمہاری قوم کی طرف سے جو پہنچا وہ تو پہنچا ہی، لیکن ان کی طرف سے سب سے تکلیف دہ عرفہ کا دن تھا، جب میں **ابن عبد یالیل بن عبد کلال** کے پاس گیا، جس چیز کا میں نے ارادہ کیا تھا اس کا انہوں نے جواب نہیں دیا، میں اس حال میں واپس لوٹا کہ میرے چہرے پر غم کے آثار تھے، میں مسلسل چلتا رہا یہاں تک کہ مقامِ **قرن الثعالب** پر پہنچا، اس جگہ میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہے، اور اس بادل میں حضرت جبرئیل امین ہیں، جبریل امین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم کے بارے میں آپ کی باتیں سن لیں اور ان کا ردِّ عمل دیکھ لیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے کہ آپ طائف والوں کے بارے میں جو چاہیں حکم دیں۔ چنانچہ پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے پکارا، مجھ پر سلامتی بھیجی اور عرض کیا کہ حکم فرمائیں، وہی ہوگا جو آپ چاہیں گے، اگر چاہیں تو میں ان پر دونوں پہاڑ گرادوں۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ ان کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو خدائے وحدہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔☆

جیسا کہ ماقبل میں بھی گزرا کہ ایک یہودی عورت نے سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا گوشت پیش کیا جس میں زہر ملا ہوا تھا، آپ نے اس زہر آلود گوشت میں سے کچھ تناول بھی فرمایا، جب اس عورت کو آپ کے پاس لایا گیا تو صحابہ کرام نے اس کو قتل کرنا چاہا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرنے سے منع فرمادیا☆☆

عفو ودرگزر اور رحم وکرم کے یہ وہ نمونے ہیں جن کی نظیر تاریخ پیش نہیں کرسکتی، آپ کی حلم وبردباری کے سینکڑوں مستند واقعات تاریخ وسیر کی کتابوں میں موجود ہیں۔

☆ صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم امین والملائکۃ

☆☆ صحیح بخاری، کتاب الھبۃ، باب قبول الھدیۃ من المشرکین

غیر مسلم مہمان کی ضیافت:

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہمانوں کے اکرام کا حکم دیا کرتے تھے، اور مہمان نوازی کو ایک مستحسن عمل قرار دیتے تھے، مہمانوں کے ساتھ آپ کے اعلیٰ سلوک اور ضیافت میں فراخی کے متعدد واقعات سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی سے مسلمانوں کی طرح غیر مسلمین بھی فیض یاب ہوئے اور آپ نے ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا مظاہرہ فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کافر کی مہمان نوازی فرمائی، اس کے لیے ایک بکری منگوائی گئی، اس کا دودھ دوہا گیا، وہ اس کا دودھ پی گیا، پھر دوسری بکری منگوائی گئی اور اس کا دودھ دوہا گیا، وہ اس کا بھی دودھ پی گیا، تیسری بکری منگوائی گئی ،اس کا دودھ دوہا گیا وہ اس کا بھی دودھ پی گیا، اسی طرح وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ اگلے دن صبح اس نے اسلام قبول کرلیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک بکری منگوائی، اس نے اس کا دودھ پی لیا، دوسری بکری منگوائی گئی مگر وہ اس کا پورا دودھ نہیں پی سکا۔☆

اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ اور اس قدر فراخی کے ساتھ مہمان نوازی دنیا کی کسی شخصیت کی سیرت کا حصہ نہیں ہے۔ یقیناً یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی وصف ہے۔

غیر مسلم مریض کی عیادت:

مریض کی عیادت سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت ہے، آپ کے صحابہ میں جب کوئی بیمار ہو جاتے تو آپ بہ نفسِ نفیس چل کر ان کے گھر تشریف لے جاتے، مزاج پُرسی فرماتے اور شفا کی دعا بھی فرماتے۔ اس ضمن میں سرکار کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے جایا کرتے تھے، سر دست ایک حدیث پاک پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

☆سنن ترمذی: کتاب الاطعمه باب ماجاء ان المومن یا کل فی معی واحد.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

" ان غلاما لیهود کان یخدم النبی صلی الله علیه وسلم ،فمرض فاتاه النبی صلی الله علیه وسلم یعود "☆

ترجمہ: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم یہودی تھا، وہ بیمار ہو گیا تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔

عیسائیوں کو مسجد نبوی میں عبادت سے نہ روکا:

جب نجران کے عیسائی مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ مسجد نبوی میں عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے، جب ان کی نماز کا وقت ہوا تو یہ لوگ مسجد ہی میں نماز پڑھنے لگے، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ انہیں نماز پڑھنے دو، ان لوگوں نے اپنے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔☆☆

پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد موقعوں پر پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کی سخت تاکید کی ہے، اس سلسلے میں کثیر احادیث مروی ہیں۔ شارحین حدیث نے پڑوسیوں سے متعلق احادیث کے بارے میں صراحت کی ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں طرح کے پڑوسی شامل ہیں۔ صحابہ کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے یہاں بکری ذبح کی گئی تو آپ نے خاص طور سے پڑوس میں رہنے والے یہودی کے یہاں گوشت بھیجنے کا حکم دیا۔

☆☆☆

☆صحیح بخاری: کتاب الادب ، باب الرفق فی الامر کله

☆☆ السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ذکر المباهلة

عہد خلفاے راشدین میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف اور رواداری کا برتاؤ کیا گیا، ان کے حقوق کی حفاظت کی گئی اور ان پر ظلم وزیادتی کے سارے دروازے بند کر دیے گئے، اس کی قدرے تفصیل گزشتہ صفحات میں تحریر کی گئی، میں چاہتا ہوں کہ اس ضمن میں خلفائے راشدین کے طریقہ کار پر بھی تھوڑی روشنی ڈال دی جائے تاکہ عہد خلفائے راشدین میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کا اجمالی خاکہ ذہن نشین ہو جائے، اور یہ واضح ہو جائے کہ غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف کی جو دیپ عہد نبوی میں روشن کی گئی تھی اس کی روشنی عہد صحابہ میں بھی اجالے بکھیرتی رہی، اور درسِ گاہ نبوت کے تربیت یافتہ اصحاب نے اسوۂ نبوت کو اسی حال میں قائم ودائم رکھا۔

خلافتِ راشدہ منہاجِ نبوت پر قائم تھی، خلفائے راشدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ طرزِ حکومت کو اپنے لیے رول ماڈل (Roll Model) سمجھتے تھے، اس لیے غیر مسلموں کے ساتھ جس طرح عدل وانصاف اور رواداری کا برتاؤ عہد نبوی میں کیا گیا وہی برتاؤ عہدِ خلفائے راشدین میں بھی باقی رہا۔

خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (وصال ۱۳ھ) صدق وصفا کے پیکر اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے، آپ نے اس بات کا لحاظ رکھا کہ کسی بھی معاملے میں ان کا تعامل عہدِ نبوی سے سرمو متجاوز نہ ہونے پائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ ظاہری کے آخری ایام میں ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کے تعلق سے بڑی تاکید فرمائی تھی، اس لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ذمیوں کے تعلق کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں فرماتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ذمیوں کے جو حقوق متعین ہو چکے تھے، آپ نے ان کی تجدید وتوثیق فرمائی۔ چنانچہ حیرہ کے عیسائیوں کے تعلق سے فرمایا:

''ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ منہدم کیے جائیں، اور نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے

گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں سے مقابلہ میں قلع بند ہوتے ہیں، ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی اور نہ تہوار کے وقت صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے۔☆

آپ نے جزیہ کی ادائیگی میں آسانیاں پیدا کیں، ذمیوں کی ایک بڑی تعداد کو جزیہ سے مستثنیٰ قرار دے دیا، حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں ایک ہزار مکمل طور پر جزیہ سے مستثنیٰ تھے، باقی سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا۔ ذمیوں میں سے معذورین کی کفالت بیت المال سے کی جاتی تھی۔☆☆

عہدِ فاروقی فتوحات کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف کے حوالے سے بھی امتیازی حیثیت کا حامل ہے، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (شہادت ۲۳ھ) کے عہد میں عرب کی دو ہمسایہ حکومتوں میں رُوم اور فارَس پر اسلام کا پرچم لہرایا، ان دونوں حکومتوں کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ نہایت ظالمانہ تھا، یہاں کے باشندوں کی حالت غلاموں سے بھی بدتر تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہاں کے باشندوں کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کیا، ان کے جائز حقوق عطا کیے، ان کو جان، مال اور مذہب کی پوری آزادی عطا فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مفتوح قوموں کے ان تینوں بنیادی حقوق کو محفوظ فرما دیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کے امان نامہ میں تحریر فرمایا:

''یہ امان نامہ ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمر (رضی اللہ عنہ) نے اہل ایلیا کو دی، یہ امان جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہلِ مذاہب کے لیے، نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔ نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔☆☆☆

تاریخ طبری کی صراحت کے مطابق یہ حقوق صرف اہلِ ایلیا کے لیے خاص نہ تھے بلکہ تمام مفتوح اقوام کو دیے گئے تھے، جو ان کے معاہدہ ناموں میں تفصیل کے ساتھ تحریر ہیں۔

☆ کتاب الخراج لابی یوسف ☆☆ مصدر سابق ☆☆☆ تاریخ طبری، فتح بیت المقدس کا بیان

اہلِ جُرجان کے معاہدہ میں یہ الفاظ ہیں:

''مال، مذہب اور شریعت سب کو امان ہے، ان میں سے کسی شئی میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔☆

ذمیوں کے تعلق سے اپنے پیش رو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بہت محتاط رویہ اختیار فرمایا کرتے تھے، ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے متفکر رہا کرتے تھے اور بار بار اپنے عمال کو تاکیدی خطوط تحریر فرماتے۔ فاتحِ شام حضرت ابو عبیدہ کو لکھا:

''مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پورا کرو'' ☆☆

ذمیوں کے مال کو کسی طرح کوئی نقصان پہنچتا تو اس کو معاوضہ دیتے، ایک مرتبہ اسلامی لشکر نے ایک ذمی کے کھیتی کو نقصان پہنچایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس ذمی کو بیت المال سے دس ہزار کا معاوضہ دلایا۔☆☆☆

آپ مال گزاری کی تعیین میں ذمیوں سے مشورہ لیا کرتے تھے، آپ اس کا خاص خیال رکھتے تھے کہیں ذمی مشقت میں مبتلا نہ ہو جائیں، ہزار احتیاط کے باوجود عراق سے جب خراج کی رقم آپ کے پاس لائی جاتی تو وہاں کے دس آدمیوں کو بلا کر قسم لیتے تھے کہ خراج کی تحصیل میں کسی قسم کی سختی تو نہیں کی گئی۔☆☆☆☆

شام کے سفر میں ایک مقام پر ملاحظہ فرمایا کہ ذمیوں پر سختی کی جارہی ہے، معلوم کیا تو پتہ چلا کہ جزیہ نہ ادا کرنے کی وجہ سے سختی کی جارہی ہے، آپ نے پوچھا کہ جزیہ کیوں نہیں ادا کیا، بتایا گیا کہ ناداری کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ، لوگوں کو دنیا میں تکلیف دیتے ہیں، اللہ

☆ (تاریخ طبری ص:۲۶۶۲ ☆☆ کتاب الخراج لابی یوسف ص:۸۲

☆☆☆ کتاب الخراج لابی یوسف ص:۶۸۔ ☆☆☆☆ کتاب الخراج لابی یوسف ص:۶۵

انہیں قیامت میں عذاب دے گا۔☆

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لے گئے تو وہاں کے عیسائی رہنما بطریرک کے ہمراہ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، جب آپ ''کنیسة القیامة'' میں پہنچے تو نماز کا وقت آگیا، بطریرک نے گزارش کی کہ کنیسہ ہی میں نماز پڑھ لیں، مگر امیر المومنین نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ اگر میں آج یہاں نماز ادا کرلوں تو ممکن ہے کہ آئندہ دور میں مسلمان میری سجدہ گاہ ہونے کا خیال کر کے اس پر دعویٰ کر دیں اور اس کو اسلامی عبادت گاہ بنالیں۔☆☆

حیرہ کے رہنے والے ایک ذمی کو قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان شخص نے قتل کر دیا، آپ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، آپ نے مسلمان قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ذمیوں نے اسے قتل کر دیا۔☆☆☆

ذمیوں کے سلسلے میں آپ کے حد درجہ خیال کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لیے جو ہدایات لکھیں، اس میں ذمیوں کا خاص طور سے تذکرہ تھا:

''میں ان لوگوں کے حق میں جن کو اللہ و رسول کا ذمہ دیا گیا ہے، یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے، اسے پورا کیا جائے، ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شہادت ۳۵ھ) جو فطری طور پر رحم دل اور شفیق و مہربان واقع ہوئے تھے، انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کو برقرار رکھا اور ان کے حقوق کو اسی طرح باقی رکھا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے ماقبل کے خلفاءِ راشدین کے عہد میں تھا۔

خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی غیر مسلموں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھا،

☆ کتاب الخراج لابی یوسف، ص:۷۱ ☆☆ تاریخ طبری ج:۱، ص:۲۴۵ ☆☆☆ الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ ۳۶۰

ان کے ساتھ کسی طرح زیادتی کو روا نہیں رکھا، اپنے عاملوں کو ان کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک کی تاکید کرتے رہے، ذمیوں کو ایک عامل عمر بن مسلمہ سے ان کی سخت مزاجی کی شکایت تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے علاقے کے ذمی دہقانوں کو تمہاری درشت مزاجی کی شکایت ہے، اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے، تم کو سختی اور نرمی دونوں سے کام لینا چاہیے۔ لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے اور نہ نرمی نقصان کی حد تک، ان پر جو مطالبہ ہوا سے وصول کیا کرو، لیکن ان کے خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو۔☆

ذمیوں کی آب پاشی کے لیے بنائی گئی نہر پٹ گئی تھی اور اس کی اطلاع حضرت علی رضی اللہ عنہ (شہادت ۴۰ھ) کو دی گئی تو آپ نے اس علاقے کے عامل حضرت قرظہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے جس کا بنانا مسلمانوں کا فرض ہے، تم اسے دیکھ کر درست کرا کے آباد کر دو، میری عمر کی قسم مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائیں، یا عاجز و درماندہ ہو جائیں، یا ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہ جائیں۔☆☆

آپ کی بارگاہ میں ایک مسلمان ایک ذمی کے قتل کے جُرم میں پیش کیا گیا، مقدمہ میں ثبوت فراہم ہو جانے کے بعد آپ نے بطور قصاص اس مسلمان کے قتل کا فیصلہ صادر فرمایا۔ ذمی مقتول کے وارثین نے امیر المومنین سے عرض کیا کہ ہم اپنے مقتول کا خون معاف کرتے ہیں، کیوں کہ اس کے قتل سے ہمارا مقتول تو واپس نہیں آئے گا۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شبہہ ہوا کہ شاید قاتل کے حامیوں نے مقتول کے وارثین کو ہراساں کر کے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے، چنانچہ آپ نے پورے جلال کے ساتھ اپنے اس شبہہ کا اظہار فرمایا، جب آپ کو معلوم ہوا کہ انہیں کسی طرح خوفزدہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ

☆ تاریخ یعقوبی ج:۲،ص:۲۳۹☆☆ مصدر سابق

وہ اپنی رضا سے ایسا کر رہے ہیں تو آپ نے قاتل کو آزاد فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

''من كان له ذمتنا فدمه كدمنا و ديته كديتنا''☆

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا شمار بھی خلفائے راشدین میں ہوتا ہے، اس لیے ذمیوں کے ساتھ ان کے طرزِ عمل کے چند نمونے پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (وصال ۱۰۱ھ) جب تختِ خلافت پر متمکن ہوئے تو حالات نہ گفتہ بہ تھے، جمہوریت کی جگہ آمریت نے لے لی تھی، شخصی مفادات کو قومی مفادات پر قربان کیا جانے لگا تھا، اور اسلامی اصولوں کو نظر انداز کر کے خلافت کو جاگیر سمجھ لیا گیا تھا، غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کے تعلق سے بھی کوتاہیاں ہونے لگی تھیں، آپ نے نہایت حکمت و مصلحت کے ساتھ دیگر تمام اصلاحات کے ساتھ ساتھ ذمیوں اور دیگر غیر مسلم معاہدین کے حقوق کی بازیافت کے لیے کامیاب کوشش کی، اور ان کے ساتھ اس طرح نرمی، حسنِ سلوک اور عدل وانصاف کا برتاؤ کیا کہ عہدِ فاروقی کی یاد تازہ ہوگئی، ذمیوں اور مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت میں سرِ مو فرق نہیں کیا، اور ان کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی دست درازی کو برداشت نہیں کیا، بلکہ گزشتہ خلفا کے زمانے میں ان کے حقوق کے تعلق سے جو کوتاہیاں ہوئی تھیں ان کی تلافی کی بھی کوشش کی۔ دمشق کا ایک گرجا گھر عرصہ سے ایک مسلمان خاندان کی جاگیر میں تھا، عیسائیوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس دعوی کیا، انہوں نے وہ گرجا گھر اس مسلمان خاندان سے لے کر عیسائیوں کے حوالے کر دیا۔☆☆

آپ مقدمات میں ذمیوں اور شاہی خاندان میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے، دونوں کے ساتھ مساوی سلوک ہوتا، ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے ایک عیسائی پر مقدمہ دائر کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دونوں کو برابر کھڑا کیا، ہشام کو یہ ناگوار ہوا، اس نے عیسائی کے ساتھ سخت کلامی کر دی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی۔☆☆☆

☆ الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ ۳۶۰☆☆ فتوح البلدان للبلاذری ص:۱۳۰☆☆☆ کتاب العیون والحدائق،ص:۵۲۶

حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں سمرقند کا ایک وفد شکایت لے کر پہنچا کہ اسلامی لشکر کا جو سپہ سالار مقرر ہے اس نے ہمارا شہر ہم سے خالی کرا کر مسلمانوں کو آباد کر دیا ہے۔ امیر المومنین نے سمرقند کے اسلامی گورنر کو فوراً حکم بھیجا کہ قتیبہ اور سمرقندی ذمی باشندوں کے معاملات کی تحقیق کے لیے فوراً ایک مخصوص عدالت بٹھائی جائے، قضاۃ اگر فیصلہ کریں کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکل جانا چاہیے تو مسلمانوں سے شہر خالی کرادیا جائے۔ چنانچہ سمرقند کے عامل حضرت جمیع بن الحاضر کی سربراہی میں اسلامی قضاۃ کا ایک پینل (panel) مقرر کیا گیا، جنہوں نے مسلمانوں کو شہر خالی کرنے کا فیصلہ سنایا، اہل سمرقند یہ ماجرا دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس کے اصولوں کی راہ میں کوئی حائل نہیں ہوسکتا، عامل، رعایا، غریب اور فقیر سب اس نظام کے سامنے یکساں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے نظام کو نظامِ رحمت سمجھ کر مسلمانوں سے اپنے شہر میں رہنے کی درخواست کی اور ان میں سے اکثر افراد اسلام میں داخل ہوگئے۔☆

☆☆☆

☆سیرت عمر بن عبد العزیز۔ص ۲۷۵

غیر مسلموں کے حوالے سے اسلام پر کیے جانے والے چند اعتراضات اور ان کے جوابات

گزشتہ صفحات میں آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشفقانہ سلوک کو ملاحظہ فرمایا، ہزاروں ظلم وستم اور بے شمار شرارتوں کے باوجود ان کے ساتھ عفوودر گزر کا جو برتاؤ کیا گیا، وہ آپ کے رحمتِ عالم ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

"وما ارسلنٰك الا رحمة للعالمین" ☆

حضور کی حیاتِ مبارکہ کا اک اک ورق اس ارشاد خداوندی کی صداقت کا آئینہ دار ہے، آپ نے پوری زندگی امن وسلامتی کی تعلیم دی اور خود بھی اس پر عمل پیرا رہے، اس کے باوجود آپ پر تشدد پسندی کا الزام لگانا نہ صرف یہ کہ بہت بڑا ظلم ہے بلکہ تاریخی حقائق سے بھی چشم پوشی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاے راشدین اور ان کے بعد دیگر صحابہ کرام نے غیر مسلموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کی روشنی میں درج ذیل اعتراضات کی کیا حیثیت ہے اس کا فیصلہ اہلِ رائے خود کر سکتے ہیں۔

۱۔ اسلام کی اشاعت تلوار کے بل بوتے پر ہوئی۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کے لیے جہاد کا سہارا لیا اور ان پر ظلم وجبر کی تمام صورتیں روا رکھیں تاکہ وہ مجبور ہوکر اسلام میں داخل ہوجائیں۔

۳۔ اسلامی جہاد کا مقصد مال ودولت حاصل کرنا تھا، کیوں کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمان مفلوک الحال تھے ان کے پاس مالی خوش حالی حاصل کرنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

☆القرآن الکریم سورۃ الانبیاء ۱۰۷

اس ضمن میں اور بھی درجنوں اعتراضات مخالفین نے کیے، سردست ہم انھی تینوں اعتراضات پر گفتگو کریں گے جن کا ہمارے موضوع سے خاص تعلق ہے۔

مخالفین کو سب سے زیادہ تکلیف اس بات سے ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت کیوں دی، اگر مسلمان مشرکینِ مکہ کی زیادتیوں پر خاموش رہتے اور دین کے ان دشمنوں کو اسلام کی بیخ کنی کی کھلی اجازت دے دیتے تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

اسلام پر اس نقطہ نظر سے اعتراض کرنے والوں کو یہ نظر نہیں آتا کہ مسلمان ایک زمانے تک ظلم وعدوان کی چکی میں پستے رہے، اور ہزاروں مصائب وآلام سے انہیں دوچار ہونا پڑا، کفار مکہ نے مسلسل تیرہ سال تک ان پر تشدد کیا، کافروں نے مسلمانوں کی جائداد پر قبضہ کرلیا ،انہیں اپنے گھر بار کو چھوڑ کر ہجرت پر مجبور کیا، کیا اس کو دہشت گردی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، ان حالات میں مسلمانوں کے لیے اپنی بقا اور اسلام کی شمع فروزاں رکھنے کی خاطر ممکنہ تدابیر اختیار کرنا ضروری ہوگیا تھا، گویا کہ مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دینا دفاعی کارروائی کے طور پر تھا، پھر انسانی تاریخ کا یہ کوئی پہلا واقعہ تو نہیں تھا بلکہ عالمِ انسانیت میں اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے جدوجہد کی داستانیں تاریخ میں بھری پڑی ہیں، تلوار کا استعمال ظلم ہے یا انصاف؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے تلوار اٹھانے والے نے تلوار کن حالات میں اور کیوں اٹھائی ہے، تلوار دوسروں کے حقوق کی پامالی کے لیے اٹھائی گئی ہے یا اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے، اگر کسی کے حقوق کو سلب کرنے کے لیے تلوار اٹھائی جائے تو دنیا ایسے شخص کو ظالم کہتی ہے اور اگر اپنے حقوق کی حصولیابی کے لیے اور ظالم کے ظلم کو روکنے کے لیے کوئی شخص تلوار اٹھائے تو وہ شخص معاشرے کے لیے فرشتہ رحمت بن جاتا ہے۔ ایسا شخص مظلوموں کا ہیرو (Hero) اور معاشرے کے دبے کچلے لوگوں کا مسیحا قرار پاتا ہے۔

مسلمانوں نے تلوار اٹھا کر کسی کا حق نہیں چھینا، کسی پر ظلم نہیں کیا، آبادیوں کو ویران نہیں کیا، اور نہ انسانیت کو شرمسار کرنے والے کارنامے انجام دیے، مسلمانوں کی تلوار بے محابا نہیں تھی، مجاہدین اسلام کے لیے بڑے سخت قوانین بنائے گئے تھے اور وہ نافذ العمل بھی تھے۔

انہیں یہ آزادی نہیں تھی کہ وہ جس طرح چاہیں اپنی آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کریں اور روے زمین پر تباہی وبربادی کا سبب بن جائیں۔

اسلام کی اشاعت کے لیے اگر تلوار کا سہارا لینا ضروری ہوتا تو تیرہ سال تک مسلمان مشرکینِ مکہ کی اذیتوں کو برداشت نہیں کرتے، دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے والے افراد میں صاحبِ حیثیت اور جنگی اصولوں سے واقف لوگ بھی تھے اور اپنی قوم میں بہادر سمجھے جانے والے جواں مرد بھی، لیکن ان سب کے باوجود سرکار نے کفار ومشرکین کے ساتھ برسرِ پیکار ہونے کی اجازت نہیں دی، کیوں کہ اسلام کی اشاعت تلوار اور جنگ وجدال کے ذریعہ نہیں ہوسکتی تھی، بلکہ اسلام کی اشاعت کے لیے مؤثر طریقہ دنیا والوں کے سامنے اسلام کی خوبیوں کو پیش کر کے انہیں اسلام سے قریب کرنا تھا، لیکن جب ظلم وتعدی کی ساری حدیں پار کردی گئیں تو دفاعی کارروائی کے طور پر مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔

اسلامی جہاد کا یہ بھی ایک حیرت انگیز پہلو ہے غزوات وسرایا کی کل تعداد نوے کے قریب پہنچتی ہے جن میں سے بعض میں تلوار کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آئی، ان غزوات وسرایا میں کل ۱۰۱۸ افراد کا جانی نقصان ہوا۔ اسلام نے ان جانوں کے نقصان کے بدلے عالمِ انسانیت کی روحانی، سماجی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کی کایا پلٹ دی، عرب کی قوم جو آپسی جنگوں اور خوں ریزی کے لیے پوری دنیا میں معروف تھی ان کے درمیان رشتہ مواخات قائم کر کے ہمیشہ کے لیے خوں ریزی کے دروازوں کو بند کردیا۔

اب ذرا غیر اسلامی جنگوں کی تاریخ کا بھی مطالعہ کریں، اور دیکھیں کہ انسانیت کی حفاظت اور دنیا کو تباہی وبربادی سے بچانے کے لیے ان جنگوں میں کن اصولوں پر عمل کیا گیا، ناگاساکی اور ہیروشیما پر امریکی بم باری کی وحشت ناکیاں، نصف صدی سے بھی کم عرصے میں بپا ہونے والی دو عالمی جنگوں کی تباہ کاریاں، افغانستان عراق اور فلسطین کی تباہی کی داستان کسی کی زبان پر کیوں نہیں، یہودیوں اور عیسائیوں پر کوئی تشدد کا الزام کیوں نہیں لگاتا، صرف مسلمان ہی کیوں مشکوک نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، آخر انصاف کا یہ کون سا معیار ہے؟ صرف

دوسری جنگ عظیم میں فریقین کا جانی نقصان ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے، روس کے پچھتر لاکھ فوجی مارے گئے، جاپان کے پندرہ لاکھ پچاس ہزار جوانوں کو تہ تیغ کیا گیا، جرمنی کے اٹھائیس لاکھ پچاسی ہزار فوجیوں نے اپنی جانیں گنوائیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جو بھی تباہی و بربادی کے واقعات پیش آئے وہ اپنی جگہ۔ اتنی کالے کرتوت رکھنے والے لوگ بھی اگر اسلام پر تشدد کا الزام لگائیں اور اسلام کو تلوار کی مرہون منت کہیں تو انہیں پہلے اپنے گھر کی خیریت معلوم کرنی چاہیے اور اپنی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے، اگر ایسا ہوا تو اسلام پر کیے جانے والا یہ اعتراض خود بہ خود دفع ہو جائے گا۔

تلوار کے زور پر کسی کو اسلام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں:

غیر مسلموں کے حوالے سے اسلام پر ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے تلوار کا سہارا لیا، در حقیقت یہ اعتراض ایسے طبقے کا ہے جنہیں اسلام کے بارے میں کوئی معلومات نہیں وہ اسلامی اصولوں سے پورے طور پر ناواقف ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کرنا ممکن ہی نہیں، کیوں کہ اسلام کا تعلق عقیدہ توحید و رسالت سے ہے، دل سے ان عقائد کو تسلیم کرنے والا مسلمان کہلاتا ہے، کسی شخص کو مجبور کر کے زبان سے کلمہ تو پڑھوایا جا سکتا ہے لیکن اس کے دل میں ایمان کی تخم ریزی نہیں کی جا سکتی، زبان سے کلمہ پڑھنے والا اور دل سے اقرار نہ کرنے والا مسلمان نہیں منافق کہلاتا ہے، پھر یہ کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ کسی کو مجبور کر کے کلمہ پڑھوانے سے اسلام کا کوئی بھلا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اسلام میں اس کی اجازت ہے، قرآنی نصوص سے ہمیں یہی درس ملتا ہے:

"لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ"☆

دین میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک واضح ہو گئی ہدایت گمراہی سے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو دین اسلام میں داخل کرنے کے مکلّف بھی نہیں تھے،

☆القرآن الکریم ۲/البقرہ ۲۵۶

آپ کا کام صرف لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا تھا، تا کہ جھوٹ اور سچ ان پر واضح ہو جائے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا:

"فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ لَسْتَ عَلَیْہِمْ بِمُصَیْطِرٍ"☆

ترجمہ: پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے، آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں۔

ایک اور مقام پر واضح الفاظ میں فرمایا:

"نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِجَبَّارٍ فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ"☆☆

ترجمہ: ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں، پس آپ نصیحت کرتے رہیے اس قرآن سے ہر اس شخص کو جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے۔

امام محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں:

"لم یثبت ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکرہ احدا علی الدین بل ثبت انہ ارادبعض الانصاران یکرہ ولدہ علی الاسلام فنہاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک"☆☆☆

یہ ثابت نہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی ہو، بلکہ یہ ثابت ہے کہ بعض انصار نے اپنے بچوں کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کا ارادہ کیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

مسلمانوں نے انہی لوگوں کے خلاف جنگ کی جو تبلیغ اسلام میں مزاحم ہوئے، جن لوگوں نے مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی ان سے مسلمانوں نے کوئی تعرض نہیں کیا، کسریٰ مسلمانوں کی راہ میں مزاحم ہوا تو ان کے ساتھ مسلمانوں نے جنگ کی، جب رومی مقابلے سے پیچھے ہٹ گئے تو مسلمانوں کا لشکر تبوک میں جنگ کیے بغیر واپس ہو گیا۔

☆القرآن الکریم، الغاشیۃ/۲۱ ☆☆القرآن الکریم ق/۴۵ ☆☆☆خاتم النبیین ج:۲، ص:۵۸۳

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تلوار کے زور پر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنا چاہتے تو جنگی قیدیوں کو فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کرنے کا اختیار نہیں دیتے بلکہ ان سے کہا جاتا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہاری گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ مشرکینِ قریش جو بیس اکیس سال تک آپ کو اور آپ کے اصحاب کو ستاتے رہے، فتح مکہ کے بعد مکمل طور پر ان کے اوپر آپ کا تسلط تھا ،آپ کے پاس تلوار کی طاقت بھی تھی لیکن آپ نے انہیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا، بلکہ عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اگر غیر مسلموں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جاتا تو اسپین (Spain) جہاں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی ایک بھی یہودی اور عیسائی باقی نہ رہتا، جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ اسپین (Spain) کے تمام غیر مسلم آٹھ سو سالہ اسلامی حکومت میں مکمل آزادی کے ساتھ زندگی گزارتے رہے، بلکہ بڑے بڑے عہدوں پر بھی فائز رہے۔ یہی حال ہمارے ملک ہندوستان کا بھی رہا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اسلام میں داخل ہونے والے غیر مسلمین اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر دامن اسلام سے وابستہ ہوتے ہیں، ان پر کوئی خارجی دباؤ نہیں ہوتا اور نہ ہی انہیں مال و دولت کی لالچ دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلام ان علاقوں میں بھی پھیل رہا ہے جہاں مسلمانوں کا کوئی عمل دخل نہیں، امریکہ جیسے اسلام دشمن ملک میں بھی اسلام کا پھیلنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لیے تلوار کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام اپنی خوبیوں کی وجہ سے پوری دنیا میں پھلتا پھولتا رہے گا۔

تاریخی حقائق اس بات پر گواہ ہیں کہ دین کی تبدیلی یا تلوار کبھی اسلام کا نعرہ نہیں رہا، مسلمان جب کسی قوم سے جنگ کا ارادہ کرتے تو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی جاتی، کہ کفر و شرک سے توبہ کر کے ایک معبود کی پرستش کا عہد کریں یا پھر جزیہ ادا کر کے اپنے جان و مال کی حفاظت کا سامان کریں، اگر یہ دونوں صورتیں منظور نہ ہوں تو جنگ کے لیے تیار ہو جائیں، سرکار کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے سے اندازہ لگتا ہے کہ سرکار نے مفتوح قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی، یہ آپ کا فریضہ منصبی بھی تھا لیکن آپ نے انہیں کبھی کسی طرح اسلام میں داخل ہونے پر

مجبور نہیں کیا۔

اسلامی جنگوں کا مقصد مال و دولت کا حصول نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ اسلامی جہاد کا اہم مقصد مالِ غنیمت کا حصول اور جزیہ کے ذریعہ اپنی مالی حالت درست کرنا تھا، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں پر کوئی ٹیکس لاگو نہیں کیا گیا اور غیر مسلموں پر جزیہ لازم قرار دیا گیا حالاں کہ یہ اعتراض بے بنیاد اور حقائق کے سراسر خلاف ہے ۔

جزیہ وصول کرنے کے مقاصد:

۱۔ مسلمان جزیہ ادا کرنے والوں کے تحفظ کا انتظام کرتے تھے، جزیہ کی رقم ان کے تحفظ اور دشمنوں سے ان کے دفاع کے مصرف میں خرچ ہوتا۔

۲۔ جزیے کی رقم بیت المال میں جمع ہوتی تھی اور اس کو ایسے افراد کی امداد و اعانت میں بھی صرف کیا جاتا تھا جو کسب سے عاجز اور معذور تھے، اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں تھی۔

۳۔ جزیہ کی ادائیگی کے ذریعہ اس بات کا اعلان ہوتا کہ ہم دولتِ اسلامیہ کے مطیع و فرماں بردار ہیں اور تبلیغِ دین کی راہ میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔

حضرت خالد بن ولید نے حیرہ کے بعض علاقوں کے ساتھ معاہدہ کرتے ہوئے فرمایا:

"فان منعناکم فلنا الجزیة والا فلا حتی نمنعکم"☆

ترجمہ: ہم اگر تمہارا دفاع کر سکیں تو تمہارے لیے جزیہ ادا کرنا ضروری ہے ورنہ نہیں۔

حضرت خالد بن ولید نے اہل حیرہ کو جزیہ ادا کرنے میں سہولت فراہم کرتے ہوئے فرمایا کہ جو ضعیف اور بوڑھا ہو، یا آفات کا شکار ہو گیا ہو، یا مالدار تھا اب فقیر ہو گیا ہو تو ان سے جزیہ ساقط ہے، بلکہ جب تک ایسے لوگ دارالاسلام میں قیام پذیر رہیں بیت المال کی طرف سے ان کی کفالت کی جائے گی۔☆☆

☆ تاریخ طبری ۲/۳۱۹ ☆☆ الخراج لابی یوسف ص: ۱۴۴

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان غیر مسلموں کے لیے بیت المال سے نفقہ عطا کرنے کا حکم دیتے تھے جو کسبِ معاش پر قادر نہیں تھے، ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گزر ایک گلی سے ہوا، دیکھا کہ ایک نابینا بوڑھا شخص بھیک مانگ رہا ہے، شکل وصورت سے ظاہر تھا کہ یہ ذمی ہے، حضرت عمر نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: تم کون سے اہل کتاب میں سے ہو؟ اس نے کہا: میں یہودی ہوں، آپ نے فرمایا: تمہیں بھیک مانگنے پر کس چیز نے مجبور کیا، اس نے کہا میں جزیہ ادا کرنے اور اپنی دیگر ضروریات کی تکمیل کے لیے بھیک مانگ رہا ہوں، آپ اس ضعیف کو لے کر اپنے گھر پہنچے، اور اپنے پاس سے کچھ عطا فرمایا، پھر بیت المال کے خازن کو بلا کر فرمایا: اسے اور ان جیسوں کو دیکھو! قسم اللہ کی یہ انصاف نہ ہوگا کہ ہم اس کی جوانی سے تو فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں انہیں ذلت کی زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دیں، **انما الصدقٰت للفقراء والمساکین** " یہ اہل کتاب کے مساکین میں سے ہے، اس کا صدقات میں حق ہے۔ آپ نے اس کا جزیہ معاف فرما دیا اور اس کے لیے بیت المال سے گزارا مقرر فرما دیا۔☆

اگر جزیہ سے مقصود مال ودولت کا حصول ہوتا تو جزیہ ادا کرنے والوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ اور ضعیفوں کمزوروں کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دینے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی، جزیہ کی وصولی میں ذمیوں پر تشدد سے منع کیا گیا۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے عامل کو جزیہ کی وصولی کے لیے بھیجتے ہوئے فرمایا:

"ان کے جاڑے اور گرمی کے کپڑے، ان کے کھانے کا سامان اور ان کے جانور جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں، خراج وصول کرنے کی خاطر ہرگز نہ لیں، نہ کسی کو درہم وصول کرنے کے لیے کوڑے مارنا، نہ کسی کو کھڑا رکھنے کی سزا دینا، نہ خراج کے عوض کسی چیز کا نیلام کرنا، کیوں کہ ہم ان پر حاکم بنائے گئے ہیں، ہمارا کام ان سے نرمی سے وصول کرنا ہے، اگر تم نے میرے حکم کے خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ میرے بجائے تم کو پکڑے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف

☆الخراج لابی یوسف، ص:۲۷۸، ۲۷۹

ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا۔☆

شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لکھا:

" وامنع المسلمین من ظلمهم والاضرار بهم واكل اموالهم الا بحلها"

ترجمہ: مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم سے منع کر دیں انہیں ضرر نہ پہنچائیں اور حلال ذریعہ کے بغیر ان کا مال نہ کھائیں۔

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی جنگوں کے ذریعہ مال ودولت حاصل کرنا چاہتے تو آپ کے پاس درہم ودینار کے انبار لگ جاتے، لیکن سیرت کی کتابوں کے معتمد حوالے بتاتے ہیں کہ اپنے وصال کے وقت آپ نے درہم ودینار کی شکل میں کوئی ترکہ نہیں چھوڑا، نہ ہی حیاتِ مبارکہ میں آپ نے امرا کی طرح عیش وعشرت کی زندگی گزاری، نہ اپنے لیے کوئی محل تعمیر فرمایا، بلکہ جیسی سادہ زندگی ابتدائے اسلام میں گزاری وہی سادگی غلبہ اسلام کے بعد بھی رہی۔

رہا مال غنیمت کا مسئلہ تو یہ مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، اقوامِ عالم میں کوئی ایسی قوم نہیں جس نے مالِ غنیمت کو فاتحین میں تقسیم نہ کیا ہو، دراصل یہ جنگی روایات میں سے ہے کہ فاتحین جنگ میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کے مستحق قرار دیے جاتے ہیں۔ ہاں! اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے جنگ فتح کر لینے کے باوجود مالِ غنیمت کی تقسیم میں تاخیر صرف اس لیے کی کہ مفتوح قوم آئے اور دامن اسلام سے وابستہ ہو کر سارا مال ودولت واپس لے جائے۔ حنین کے موقع پر جنگ فتح ہونے کے بعد سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتوح قوم کا دس دن تک انتظار فرمایا، لیکن جب دس روز کے انتظار کے باوجود کوئی نہیں آیا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت اور جنگی قیدیوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما دیا، اس کے بعد یہ لوگ سرکار کی خدمت میں اپنے اسلام کا اعلان کرتے ہوئے حاضر ہوئے، سرکار نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرما کر تقسیم شدہ جنگی قیدیوں کو واپس دلایا۔ سرکار دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے

☆الخراج لابی یوسف، ص:۱۸

تشریف لائے تھے ان کا **مطمحِ** نظر مال ودولت کا حصول کبھی نہیں رہا۔اور نہ کسی نبی کی یہ شان ہوسکتی ہے۔

ایک انگریز فلسفی تومارس کارلیل لکھتا ہے:

”کیا جھوٹے یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی لالچ اور محبت نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اسلام کی دعوت اور جہاد پر ابھارا؟ بخدا یہ تصور مبنی برحماقت ہے، نادانی ہے جنون ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسی شخصیت کو نہ صرف بلادِ عرب، تاجِ قیصر، عصائے کسریٰ بلکہ دنیا کی ساری دولت اور سیم وزر سے کیا فائدہ، اور انہیں ان چیزوں کی کیا ضرورت۔تھوڑا زمانہ گزرنے کے ساتھ بادشاہانِ وقت، ان کے تخت وتاج اور ان کی حکومتیں کہاں چلی گئیں؟۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کھانے پینے، اوڑھنے پہننے، رہنے سہنے اور زندگی کے سارے احوال میں انتہائی سادگی پسند تھے، ان کا کھانا روٹی، کھجور اور پانی ہی تھا، بلکہ کبھی کبھی خود اپنے ہاتھوں سے اپنے کپڑے سی لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اپنی وفات کے وقت انہوں نے کوئی مال نہیں چھوڑا، سوائے ایک دراز گوش، کچھ ہتھیار اور تھوڑی زمین عام مومنین پر صدقہ کے لیے۔(لہذا جہاد کے ذریعہ حصولِ مال کا الزام بے بنیاد ہے) ☆

☆☆☆

☆ محمد رسول اللہ فی نظر فلاسفۃ الغرب ومشاہیر کتابہ ص:۲۲،۲۳

بابِ دوم

دارالاسلام میں غیر مسلموں کے حقوق

بابِ اول میں ہم نے غیر مسلموں کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ برتاؤ کے چند نمونے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، اس باب میں ہم انہی نمونوں کی روشنی میں غیر مسلموں کو دیے گئے چند خاص اور بنیادی حقوق پر گفتگو کریں گے۔

مذہبی آزادی کا حق: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں تک اللہ کا پیغام پہونچایا انہیں ایک معبود کی پرستش کی دعوت دی لیکن اپنی بات منوانے کے لیے آپ نے جبر و اکراہ کا راستہ کبھی اختیار نہیں کیا، **لا اکراہ فی الدین** کے اصول پر چلتے ہوئے آپ نے حکمت وموعظت کے ساتھ بندوں کی ہدایت کے لیے کوششیں کیں اور مذہب کو اختیار کرنے کے سلسلے میں انہیں مکمل اختیار دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں غیر مسلموں کو کس طرح مذہبی آزادی حاصل رہی اس کا اندازہ اہلِ نجران کے نام لکھے گئے ایک خط کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

"ولنجران وحاشيتهم جوار الله وذمة محمد النبي رسول الله علىٰ انفسهم وملتهم وارضهم واموالهم وغائبهم وشاهدهم وبيعهم وصلواتهم لا يغيروا سقفا عن اسقفيته ولا راهبا عن رهبانيته ولا واقفا عن وقفانتيه وكل ماتحت ايديهم من قليل وكثير☆

نجران اور اس کے حلیفوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ حاصل ہے، ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر، غائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی، کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبہ، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحبِ منصب کو اس کے منصب سے نہیں ہٹایا جائے گا، اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی۔

☆طبقات الکبریٰ لابن سعد۔ ج:۱رص ۲۲۸

اسلامی حکومتوں میں گرجا گھر اور کلیسے موجود رہے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا بلکہ ان کی حفاظت کی گئی۔

بدائع الصنائع میں ہے:

''و لا يمنعون من اظهار شئی مما ذكرنا من بيع الخمر و الخنزير و الصليب و ضرب الناقوس فی قرية او موضع ليس من امصار المسلمين و لو كان فيه عدد كثير من اهل الاسلام و انما يكره ذلک فی امصار المسلمين و هی التی يقام فيها الجمع و الاعياد والحدود ،و اما اظهار فسق يعتقدون حرمته كا الزنا و سائر الفواحش التی هی حرام فی دينهم فانهم يمنعون من ذلک سواء كانوا فی امصار المسلمين او امصارهم''☆

''جو بستیاں اور مقامات مسلمانوں کے شہروں میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب و خنزیر بیچنے اور صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو۔ البتہ یہ افعال مسلم آبادی کے شہر میں مکروہ ہیں جہاں جمعہ وعیدین اور حدود قائم کی جاتی ہوں۔ رہا وہ فسق جس کی حرمت کے وہ بھی قائل ہیں، مثلاً زنا اور دوسرے تمام فواحش جو ان کے دین میں بھی حرام ہیں تو اس کے اظہار سے ان کو ہر حال میں روکا جائے گا خواہ مسلمانوں کے شہر میں ہوں یا خود ان کے اپنے شہر میں۔''

غیر مسلموں کے معاملات ان کے مذہب کے مطابق طے کیے جاتے، انہیں اپنی بستیوں میں مکمل آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی رسوم کی ادئیگی کی اجازت دی گئی، اس میں مسلمانوں نے کبھی دخل اندازی نہیں کی، یقیناً مذہبی آزادی کی یہ اعلیٰ مثال ہے۔

جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا حق: اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے تحفظ کی ذمے داری حکومتِ اسلامیہ پر ہے، غیر مسلم کی جان کو بے وقعت اور غیر محترم نہیں قرار دیا گیا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جان و مال کی حرمت ان الفاظ میں بیان فرمائی:

☆بدائع الصنائع للعلامہ الکاسانی ۷ر۱۱۳

” دية اليهودي والنصراني وكل ذمي مثل دية المسلم “☆

ترجمہ: یہودی، عیسائی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے۔

ماقبل میں گزرا کہ غیرمسلموں میں سے معذور افراد کی سلامتی کے لیے اسلامی بیت المال سے وظائف جاری کیے جاتے ، ان پر کسی طرح کوئی ظلم نہ ہو اس کے لیے تاکیدی احکامات نافذ کیے جاتے ، اس کے باوجود اگر کسی نے ان کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی تو انہیں قرار واقعی سزا کا مستحق گردانا گیا، ولید بن عبدالملک اموی نے دمشق کے کنیسہ کو زبردستی چھین کر مسجد میں شامل کرلیا، پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو عیسائیوں نے اپنے اوپر ہوئے اس ظلم کی شکایت بارگاہ خلافت میں کی، آپ نے اپنے عامل کو حکم دیا مسجد کا جتنا حصہ گرجا کی زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اسے منہدم کر کے عیسائیوں کے حوالہ کردو۔☆☆

معاشرتی آزادی کا حق: غیرمسلموں کو اسلامی حکومت میں اپنے سماج و معاشرے کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل تھا، ان کے شخصی معاملات مثلاً نکاح، طلاق وغیرہ کے سلسلے میں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ شرح فتح القدیر میں ہے:

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ خلفاے راشدین نے اہل ذمہ کو نکاحِ محرمات کی اجازت کیوں دے دی، شاید آپ اس کی ممانعت فرمانا چاہتے تھے کیوں کہ فطرت سلیمہ بھی اس فعل کو ناپسند کرتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا:

” انما بذلوا الجزية ليتركوا علىٰ مايعتقدون وانما انت متبع ولا مبتدع “☆☆☆

انہوں نے جزیہ اس لیے دیا ہے تا کہ انہیں اپنے اعتقادات پر چھوڑ دیا جائے، آپ تو خلفاے راشدین کی پیروی کرنے والے ہیں نہ کہ نئی راہ بنانے والے۔

ان کی معاشرتی آزادی یہ بھی ہے کہ ان کے ساتھ انصاف اور حسنِ سلوک کا برتاؤ کیا

☆مصنف عبدالرزاق، ۷/۱۰،۹☆☆فتوح البلدان للبلاذری ۱۵۰☆☆☆شرح فتح القدیر ۴۱۷/۳

جائے، بدخلقی اور سختی کا مظاہرہ نہ کیا جائے، قرآن پاک میں فرمایا گیا:

”لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ“☆

ترجمہ: اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ اور انصاف کرنے سے منع نہیں فرماتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، بلکہ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

معاشی آزادی کا حق: اسلامی حکومت میں غیرمسلموں کے لیے کسبِ معاش پر کوئی پابندی نہیں، بلکہ وہ معاشی استحکام کے لیے جو تجارت چاہیں کریں، یہاں تک کہ وہ اپنے محلوں یا قصبوں میں شراب اور خنزیر کی بھی تجارت کر سکتے ہیں، کوئی مسلمان اگر ان کے شراب اور خنزیر کو نقصان پہنچائے تو اسے تاوان ادا کرنا ہوگا۔ انہیں پیشوں کو اختیار کرنے کے سلسلے میں بھی آزادی دی گئی ایسا نہیں کہ وہ صرف خسیس پیشے ہی اختیار کر سکتے ہیں، بلکہ وہ اپنی سہولت کے اعتبار سے جو پیشہ چاہیں اختیار کریں، جو تجارتی ٹیکس مسلمانوں کو ادا کرنا ضروری ہے وہی غیرمسلموں کے لیے بھی لازم ہے۔

معذوروں کی کفالت کا حق: مسلم معذورین کی طرح غیرمسلم معذوروں کے لیے بھی اسلامی بیت المال سے وظائف مقرر کیے گئے۔ سعید ابن مسیّب کی روایت ہے:

”ان رسول الله صلى الله عليه وسلم تصدق صدقة علىٰ اهل بيت من اليهود فهي تجرى عليهم “☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ایک گھرانے کو صدقہ دیا، آپ کے وصال کے بعد بھی ان کو صدقہ دیا جاتا رہا۔(۱)

☆القرآن الکریم الممتحنۃ ۸☆☆کتاب الاموال ۱۹۹۲

(۱)ذمی کافروں کو زکات دینا بالاتفاق جائز نہیں لیکن نفلی صدقہ دینا جائز ہے۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے: ”واما اهل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة اليهم بالاتفاق ويجوز صرف صدقة التطوع اليهم با الاتفاق“ (كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف ،ج:۱۸۸)

کتاب الخراج میں ہے:

" وجعلت لهم ایما شیخ ضعف عن العمل واصابته آفة من الافات او کان غنیا فافتقر وصار اهل دینه یتصدقون الیه طرحت جزیته وعیل من بیت مال المسلمین وعیاله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام"☆

اگران کے ضعیف اور ناکارہ لوگوں کو یا آفت رسیدہ یا غنی سے فقیر ہو جانے والے افراد جنہیں ان کے مذہب کے لوگ خیرات دینے لگیں، ان سے جزیہ ہٹا لیا جائے گا اور مسلمانوں کے بیت المال سے ان کے اور ان کے عیال کے نان ونفقہ کا انتظام کیا جائے گا، جب تک وہ دارالاسلام میں رہیں۔

معاہدات کی پاس داری کا حق: غیر مسلموں سے کیے ہوئے معاہدوں کو توڑنا ممنوع قرار دیا گیا ،اس کی پاسداری کو لازم سمجھا گیا بلکہ اس کی سخت تاکید کی گئی:

بدائع الصنائع میں ہے:

"العقد فهو انه لازم فی حقنا حتی لا یملک المسلمون نقضه بحال من الاحوال واما فی حقهم فغیر لازم "☆☆

ترجمہ: عقد ذمہ مسلمانوں پر ہمیشہ کے لیے لازم ہے، یعنی وہ معاہدہ کرنے کے بعد پھر توڑ دینے کے مختار نہیں لیکن دوسری جانب ذمیوں کو اختیار ہے کہ جب تک چاہیں اس پر قائم رہیں اور جب چاہیں توڑ دیں۔

☆☆☆

☆کتاب الخراج ۱۵۵ ☆☆بدائع الصنائع ۱۱۲/۷

خاتمہ

گزشتہ صفحات میں ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس بات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر مسلموں کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں اور نوع بنوع مراحل میں کیسا برتاؤ رہا ہے، سیرت طیبہ کے اس گوشے میں جہاں ایک طرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی شفقت ورحمت کے حوالے سے مزید آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے وہیں دوسری طرف مذہب اسلام کے نظریہ جہاد کے صحیح خدوخال بھی اجاگر ہوتے ہیں، قارئین کتاب کے مطالعہ سے خود اس حقیقت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، کتاب کی آخری سطور میں ہم اختصار کے ساتھ ان نکات کو تحریر کر رہے ہیں، جو غیر مسلموں کے تعلق سے قرآن وحدیث اور سیرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد ہیں، آپ ان نکات کو اس کتاب کے مشمولات کا خلاصہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ سارے انبیاے کرام کا دین اسلام ہے، اور اس سلسلہ کی آخری کڑی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ، لہذا دین محمدی اور دیگر آسمانی مذاہب کے درمیان تکمیلی نوعیت کا رشتہ ہے (یعنی دین محمدی نے دیگر ادیانِ سماوی کو کمال تک پہنچایا)۔

۲۔ اسلام ساری کائنات کا دین ہے اس لیے اللہ نے ہر جنس ونسل کے لوگوں کو اس سے جوڑ دیا اور اس کے ذریعہ نسلی امتیاز اور عصبیت کو ختم کر کے نظریہ مساوات نافذ کیا، اور یہ اعلان کر دیا کہ سارے انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں ان کا مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں بٹنا آپسی تعارف کے لیے ہے، نہ کہ فخر ومباہات اور جنگ وجدال کے لیے۔

۳۔ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ اور تعامل کے لیے اصول وضع کر دیے ہیں ، یہ اصول غیر مسلموں کی بہتر زندگی کی ضمانت ہیں، اگر چہ وہ اسلام قبول کرنے کا انکار کر کے اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ ان اصولوں میں عدل وانصاف، مساوات، عقیدہ وعمل کی آزادی جیسے دفعات خاص طور سے شامل ہیں۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مشن کا مقصد اللہ کے بندوں کو معبودِ برحق کی عبادت و پرستش کی طرف بلانا تھا، دعوتِ دین کے ہر مرحلے میں یہ مقصد پیشِ نظر رہا، یہی وجہ ہے کہ جب آپ من جانب اللہ غلبہ وقوت پاتے ہیں تو اپنے دشمنوں کو درگزر اور معاف کرتے نظر آتے ہیں اور جب بظاہر ضعف کی حالت میں ہوتے ہیں تو خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے یہ دعا کرتے نظر آتے ہیں: **اللھم اھدِ قومی فانھم لایعلمون**"۔

۵۔شفقت ورحمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا لازمی وصف تھا جو دعوت وتبلیغ کے کسی مرحلہ میں آپ سے جدا نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مشرکین پر غلبہ کے با وجود آپ مواخذہ کے بجائے عفو ودرگزر سے کام لیتے ہیں اور اپنی بے پناہ رحم وکرم کا مظاہرہ فرماتے نظر آتے ہیں۔

۶۔غیر مسلموں کے ساتھ آپ کا جو بھی برتاؤ رہا وہ من جانب اللہ تھا، لہذا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ رحمت وشفقت اور نرمی کے ساتھ پیش آئیں تو آپ نے حکم الٰہی پر لبیک کہا، اور جب آپ کو ان سے قتال کا حکم ملا تو رب کے اس حکم کو بھی عملی جامہ پہنایا، آپ کا قتال اللہ کی راہ میں اس کے دین کی سر بلندی کے لیے تھا، ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر نہیں۔ بلکہ آپ کی حیات مبارکہ کا کوئی لمحہ ذاتی مفاد کے حصول کے لیے نہیں گزرا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر عمل کرنے اور دین کی تبلیغ واشاعت کی خاطر اپنی قربانیاں پیش کرنے کا جذبہ عطا فرمائے، **امین بجاہ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین.**

☆☆☆

مصادر ومراجع

ا.القرآن الکریم
۲. صحیح البخاری، طبعة دارالشعب القاهره،۱۳۷۸ء
۳. صحیح المسلم ، دار احیاء الکتب العربية
۴. سنن ابی داؤد، دار الحدیث القاهره
۵. سنن ترمذی، دارالکتب العلميه بيروت
۶.سنن النسائی، دارالمعرفة بيروت
۷. السنن الکبریٰ للبيهقی، دارالمعرفة ، بيروت
۸. احکام اهل الذمة لابن قیم الجوزی
۹ . بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للکاسانی
۱۰ .بقية الباحث عن زوائد مسند الحارث
۱۱ .تاريخ مدينة دمشق، لابن عساکر، دارالفکر بيروت، ۱۹۹۵ء
۱۲ . کتاب الخراج لابی یوسف، تحقیق ، احسان عباس دارالشروق
۱۳ .خاتم النبيين للشيخ محمد ابو زهره،دوحه،۱۴۰۰
۱۴ . زاد المعاد فی هدی خیر العباد، لابن قیم الجوزية، موسسة الرساله بيروت،۱۴۰۴ء
۱۵ .سبل الهدی والرشاد للصالحی،تحقیق دکتورمصطفی عبد الواحد، طبع مجلس الاعلیٰ للشئون الاسلاميه مصر ۱۳۹۲
۱۶ .الطبقات الکبریٰ لابن سعد، دار بيروت ۱۹۷۸ء
۱۷ .المبسوط للسرخسی، دارالمعرفة بيروت۱۹۷۸
۱۸ .مغنی المحتاج الیٰ معرفة الفاظ المنهاج، للشربینی ، بيروت ۱۹۵۵ء

۱۹. کنز الایمان فی ترجمه القرآن مع خزائن العرفان

۲۰. سیرة الرسول(ضیاء النبی)،پیر کرم شاہ ازھری، پاکستان

۲۱. مصنف عبد الرزاق ،بیروت

۲۲.فتوح البلدان للبلاذری ،بیروت

۲۳. التعامل مع غیر المسلمین فی العھد النبوی، مصر

۲۴: الدرایه لتخریج احادیث الهدایه

۲۵. تاریخ الطبری، محمد بن جریر طبری

۲۶، تاریخ الیعقوبی،بیروت ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء

۲۷.سیرت عمر بن عبد العزیز

۲۸. البدایة والنهایة،للامام اسمعیل بن عمر کثیر قرشی الدمشقی

عہد نبوی میں
غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ